FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com/

پیاری باجی

السلام علیکم

امید کہ خیریت سے ہوں گی۔ آپ کا محبت نامہ ملا۔ اور کوششوں کے باوجود کافی وقت لگ گیا ناول لکھتے لکھتے۔ خیر مگر اپنے محبوب رسالہ "پاکیزہ آنچل" کے سالگرہ نمبر کے لیے "محبت ہے تم سے" لے کر حاضر ہوں۔ خدا کرے کہ آپ کو بروقت مل جائے اور پیارے رسالہ کی زینت بنے۔

"پاکیزہ آنچل" کی لازوال ترقی و کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ خدا کرے یہ رسالہ ہمیشہ ہمیشہ ہم سب کے درمیان اپنی پوری آب و تاب سے جگمگاتا رہے۔ (آمین)

فقط

دعاؤں کی طالب..........لاریب مومن، بھونڈی

"پاپا...... پاپا" وہ آوازیں دیتی چلی آرہی تھی اور اس کی آواز میں طیش اور غصبناکی رضوان احمد نے محسوس کرلی تھی جب ہی تو زیرلب بڑبڑاتے ہوئے سیدھے ہو بیٹھے تھے۔

"الٰہی خیر...... اب جانے نہیں کونسی آفت کھڑی کرے گی یہ لڑکی۔" فائل بند کرکے ٹیبل پر ڈالتے ہوئے انہوں نے طویل سانس لی تھی۔ اسی دوران وہ پیر پٹختی ہوئی ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور آتے ساتھ ان کا بازو کھینچتی ہوئی کہنے بلکہ چلانے لگی تھی۔

"پاپا ابھی...... ابھی چلیں میرے ساتھ۔"

"کہاں بیٹے؟" وہ حیران ہوئے۔

"اس دو ٹکے کے آدمی کو سبق سکھانے...... سمجھتا کیا ہے خود کو۔" طیش کے مارے اس کا برا حال تھا۔

"ریلیکس بیٹے...... ریلیکس ہو کر پوری بات تو بتاؤ مجھے۔"

"نہیں ہونا مجھے ریلیکس...... آپ چلیں...... چلیں میرے ساتھ، اس باسٹرڈ کی تو میں......" ان کا بازو کھینچتے ہوئے وہ فراٹے سے انگریزی میں گالیاں بکنے لگی تھی۔

"زوفا...... زوفا بیٹے یوں نہیں...... پہلے مجھے پتہ تو چلے کہ ہوا کیا ہے۔ کس بات پر اتنا غصہ ہے تمہیں۔" وہ اس کی گرفت سے بازو چھڑا کر اسے خود سے لگاتے ہوئے کہنے لگے تھے۔ "آرام سے بیٹے مجھے پوری بات بتاؤ پھر تم جو کہو گی ہم کریں گے۔"

"اس دو ٹکے کے آدمی نے میری انسلٹ کی پاپا...... اتنے سارے لوگوں کے سامنے مجھ سے اپنی شرٹ دھلوائی میں اسے چھوڑوں گی نہیں سمجھتا کیا ہے خود کو وہ۔" وہ چلا رہی تھی۔

"ہم اب بھی کچھ نہیں سمجھے بیٹے۔" وہ بیساختہ تبسم کی مسکراہٹ چھپا کر بولے۔

"آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں راستے میں سمجھاؤں گی اور اس...... کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔" اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ہم جانتے ہیں غلطی تمہاری ہی ہوگی اس لیے ہم کہیں نہیں جائیں گے تمہارے ساتھ۔ جاؤ تم اپنے کمرے میں۔" وہ قدرے برہم ہوئے۔

"پاپا آپ مجھے غلط کہہ رہے ہیں مجھے......؟" وہ اور بھی آپے سے باہر ہوئی۔

"ہاں اس لیے کہ تم ہو غلط...... تمہارے جینے کے انداز ہیں ہی غلط...... اب بھی تم نے ہی کوئی زیادتی کی ہوگی۔ چلو جاؤ اب تمہارے ساتھ فضولیات میں الجھنے کا وقت نہیں ہے۔ ہمارے پاس۔"

"یو آر ناٹ سو گڈ پاپا مگر میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔"

وہ پیر پٹختی ہوئی چلی گئی تھی اور اگلے ہی پل چیزوں کے اٹھا پٹخ کرنے کی آوازیں ان کی سماعتوں تک پہنچنے لگی تھیں۔ وہ اب اپنا غصہ یقیناً اپنے کمرے میں موجود سجاوٹی اشیاء پر نکال رہی تھی۔

"باجی...... آپ نے تو جی بھر کے بگاڑا ہے میری بیٹی کو...... میں اسے کیسے سدھار پاؤں گا خدایا۔" وہ طویل

سالس سے نکل کر اپنے بیڈ روم سے نکل آئے تھے۔ ہال میں آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے ڈرائیور کو طلب کیا تھا۔

"زوفا کو تم لے کر گئے تھے باہر؟" اور جب ڈرائیور آ کر ان کے پاس مؤدب سا کھڑا ہوا تو وہ پوچھنے لگے۔

"جی صاحب۔" ڈرائیور نے سر ہلا دیا۔

"کوئی آفت بچائی آج اس نے۔"

"جی صاحب وہ..." ڈرائیور جھجک کر رہ گیا۔

"مجھے پوری بات بتاؤ وہ بھی پوری سچائی کے ساتھ۔ کون تھا وہ شخص جس نے میری بچی سے اپنی شرٹ دھلوانے کی بہادری دکھائی تھی۔" اب وہ منگوا رہے تھے جس سے ڈرائیور حوصلہ پا کر کہنے لگا۔

"بے بی کے کہنے پر میں انہیں ساحل پر لے گیا تھا صاحب۔ واپسی پر انہوں نے پان کھایا بھی اور کچھ پان بندھوا کر اپنے ساتھ رکھ بھی لیے۔ سارا راستہ وہ پان ہی کھاتی رہیں پھر پتہ نہیں کیا سوجھی انہیں کہ مجھے گاڑی روکنے کو کہا میں نے جھٹکے سے روکی بھی نہیں تھی کہ انہوں نے گاڑی کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے پان کی پیک اس آدمی پر پھینک دی جو اسی وقت بائیک پر ہمارے برابر سے گزر رہا تھا۔ وہ بائیک چھوڑ کر غصے سے ہماری طرف بڑھا۔ صاحب اگر بے بی سوری کر لیتیں تو بات بڑھتی ہی نہیں، جب وہ آدمی قریب ہوا تو بے بی نے بہت سارے نوٹ اس کی طرف بڑھا کر کہا جا کر شرٹ لانڈری میں دھلوا لینا اور بھی بہت کچھ کہا انہوں نے اور بس وہ آدمی آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے بے بی کو کھینچ کر کار سے نکالا اور دور تک کھینچتا ہی چلا گیا۔ صاحب میری تو سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں۔ ذرا دور پر ہے میونسپلٹی کے نل تک وہ بے بی کو گھسیٹ کر لے گیا تو پھر شرٹ اتار کر بے بی سے دھلوا کر ہی دم لیا اس نے۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے صاحب مگر اس آدمی نے کسی کی نہیں سنی۔ کسی نے کچھ کہنا چاہا تو وہ اسے بھی ... [illegible] ادھر ہو گئے۔ بے بی کو اس کی شرٹ دھونی ہی پڑی صاحب پھر وہ بے بی کو ڈھیروں باتیں سنا کر شرٹ لے کر چلا گیا اور بے بی کو کس طرح قابو کر کے میں گھر تک لایا ہوں میں ہی جانتا ہوں صاحب۔ وہ تو اڑی تھیں کہ خود کار ڈرائیو کریں گی اور اس بائیک والے کو جا کر ٹکر ماریں گی۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر بائیک والے کی شرٹ گندی کی تھی۔" ڈرائیور پوری بات بتا کر چپ ہوا تو وہ پوچھنے لگے۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا صاحب۔ میری نظر سامنے راستے پر تھی اور وہ بائیک والا سائیڈ میں تھا۔ ہو سکتا ہے بے بی نے دیکھا ہو یا نہ بھی دیکھا ہو۔"

"ہوں... جاؤ تم۔" وہ اسے جانے کا کہہ کر سوچوں میں گم دیر تک وہیں بیٹھے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی جسے جنم دینے کے بعد اس کی ماں انتقال کر گئی تھی۔ پھر انہوں نے بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش کی تھی اور وہ تین ہی سال کی ہوئی تھی جب ان کی بہن جو امریکہ میں سیٹل تھیں اپنے دو بچوں کے ساتھ ان کے گھر آ گئی تھیں۔ وہ پورے چھ ماہ بھائی کے گھر رہ کر گئیں اور اس عرصے میں زوفا ان سے اور ان کے بچوں سے خوب گھل مل گئی تھی اور جب وہ واپس چلی گئیں تو زوفا آنٹی اور اپنے کزنز کے لیے رو رو کر خود کو ہلکان کرنے لگی۔ [illegible] دن وہ بیمار رہنے لگی تھی۔ آنٹی اور ان کے بچوں کو آوازیں دے دے کر روتی رہتی تھی۔ رضوان احمد نے بہت [illegible] اسے بہلانے کی مگر وہ بہل نہ سکی۔

"مجھے [illegible] کے پاس جانا ہے پاپا۔"

"پاپا [illegible]"

"پاپا [illegible] میں ان کے ساتھ رہوں گی۔" وہ روتے روتے بس یہی رٹ لگائے رہتی۔ بیٹی کی حالت دیکھتے ہوئے انہوں نے فون پر بہن سے [illegible]

"تم زوفا کو میرے پاس بھیج دو رضوان میں پال لوں گی اسے۔ بیٹی بچوں کی [illegible] تم بس اسے میرے پاس بھیج دو۔" بہن نے [illegible] دی تو انہوں نے خود جا کر زوفا انہیں سونپ دی۔ یوں وہ [illegible] کے پاس رہنے لگی۔ ہر [illegible] وہ اس کے لیے اچھی خاصی رقم بھیج دیا کرتے تھے۔ بہن نے منع بھی کیا مگر وہ مانے نہیں کہ بہر حال زوفا ان کی بیٹی تھی۔ وہ اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکے تو کیا ہوا اس سے بالکل غافل بھی تو نہیں رہ سکتے تھے۔ انہوں نے اسے بہن کے پاس بھیج دیا تھا مگر جب بھی موقع ملتا جا کر اسے مل آتے تھے اور اسے خوش باش پا کر

مطمئن ہو جاتے تھے۔ ابتدائی چند سالوں تک تو وہ سال میں دو دو بار بھی بیٹی سے ملنے گئے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے امریکہ جانے کا وقفہ بھی طویل ہونے لگا۔ یہ سوچ کر بھی انہوں نے جانا کم کر دیا کہ کہیں بہن کو برا نہ لگ جائے کہ انہیں اعتبار نہیں ہے۔ بہن پر جب ہی جلدی جلدی چکر لگاتے ہیں بیٹی کی تربیت پوچھنے کے لیے۔ دوسری بات انہوں نے یہ بھی سوچی کہ بیٹی بہن ہی کے پاس تو ہے انہیں اس کی اتنی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ وہ خوش تھی بس انہیں اور کیا چاہیے تھا ہاں جب وہ انہیں بہت یاد آتی تو اس سے فون پر ڈھیروں باتیں کیا کرتے تھے۔

امریکہ جانا انہوں نے کم کر دیا تھا اور اس بار جب وہ پورے تین سال بعد بیٹی سے ملنے گئے تو بیٹی کا حلیہ اور انداز دیکھ کر انہیں سخت دھچکا لگا۔ وہ اسے کزنز حسن اور سنی کی طرح بیٹی نظر میں انہیں تو لڑکا ہی نظر آئی بغیر آستینوں کی ٹی شرٹ اور جینز پہنے بے پروائی سے چیونگم چباتی ہوئی انہیں وہ کسی طور سے بھی اپنی بیٹی زروفا نہ لگی تھی۔ اور پھر وہ جتنے دن بھی وہاں رہے زروفا کو ایسے ہی حلیے میں پایا۔ بعض اوقات تو بہت چھوٹے کپڑوں میں بھی نظر آئی وہ انہیں۔

"باجی... آپ نے یہ میری بیٹی کا کیا حلیہ بنا دیا ہے۔" وہ بہن سے شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔

"ارے چھوڑو رضوان ہم بچوں کے پہننے اوڑھنے پر تو پابندی نہیں لگا سکتے نا اور پھر یہاں کا تو یہی چلن ہے۔"

باجی بے پروائی سے بول رہی تھیں اور انہوں نے ان سے بحث کرنے کی بجائے زروفا کو واپس اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ قطعی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی اپنا تشخص کھو دے جدت اور فیشن کے نام پر بے راہ رو ہو جائے۔ انہیں لگا اگر اس بار انہوں نے اسے یہیں چھوڑ دیا تو پھر وہ اسے کبھی واپس نہیں لے جا پائیں گے کہ اب وہ سترہ سال کی تھی۔ عمر کے سب سے خطرناک دور میں۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ بیٹی اس پرجوش اور حوصلوں سے بھرپور عمر کے دور میں کسی غلط سمت میں مڑے سو انہوں نے لمحوں میں فیصلہ کر لیا تھا اسے اپنے ساتھ واپس لے جانے کا۔

"اب ایسی بھی کیا جلدی ہے رضوان رہنے دو۔ ایم۔ بی۔ اے کر لے گی تو لے جانا۔ بزنس میں ہاتھ بٹانے کی

اولاد کی تربیت

شیخ سعدی سے پوچھا گیا کہ "اولاد کی تربیت کیسے کرنی چاہیے؟" تو آپ نے فرمایا "جب بچے کی عمر دس سال سے زائد ہو جائے تو اسے نامحرموں اور ایرے غیروں میں نہ بیٹھنے دو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا نام باقی رہے تو اولاد کو اچھے اخلاق کی تربیت دو۔ اگر تمہیں بچے سے محبت ہے تو اس سے بے جا لاڈ پیار نہ کرو۔ بچے کو استاد کا ادب سکھاؤ۔ اسے استاد کی سختی سہنے کی عادت ڈالو۔ بچے کی تمام ضرورتیں خود پوری کرو۔ اسے عمدہ طریقے سے رکھو تاکہ وہ دوسروں کی طرف نہ دیکھنے پائے۔ بچوں پر کڑی نگرانی رکھو تاکہ وہ بروں کی صحبت میں نہ بیٹھیں۔ بچوں کو ہنر سکھاؤ تاکہ کسی بھی برے وقت میں کام آسکے۔"

(درشانہ تبسم خالد علی گڑھ)

تمہارا بس چلے تو یہ تمہارا سب کچھ۔" باجی نے کہا تھا۔

"ہاں باجی میرا سب کچھ یہی ہے۔ اسی لیے تو اسے لے جانا چاہتا ہوں اپنے ساتھ۔ بس باجی بہت رہ لی آپ کے ساتھ اب یہ سمجھدار ہو گئی ہے اور پھر میں بھی اب تھک چکا ہوں اکیلا رہتے رہتے۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی لے جاؤ۔ بیٹی تو تمہاری ہی ہے۔" وہ بولی تھیں اور جب زروفا نے یہ سنا تو صاف منع کر دیا۔

"پاپا میں انڈیا نہیں جاؤں گی۔ یہیں رہوں گی۔"

"بیٹا بہت رہ لیں یہاں اب اپنے وطن اپنے گھر میں اپنے پاپا کے ساتھ بھی رہو۔" وہ بولے تھے مگر وہ کسی طور بھی آمادہ نہیں تھی۔ بہرحال کافی دیر تک سمجھانے بجھانے کے بعد وہ اسے واپس لے آئے تھے۔ وہ دو چار ماہ تو مزے سے رہی مگر پھر امریکہ واپس جانے کی ضد کرنے لگی تھی۔

"پاپا مجھے واپس جانا ہے۔" "مگر تم واپس نہیں جاؤ گی۔ یہیں رہو گی۔" انہوں نے صاف منع کر دیا تھا اور بس تب ہی سے وہ انہی کے لیے اڑ گئی تھی۔ بدتمیزیوں پر اتر آئی تھی۔ روز گھر کے ملازموں کی شامت آئی رہتی تھی۔ بات بات پر وہ چلانے لگتی تھی۔ غصے میں خوب ہی توڑ پھوڑ مچائے رہتی تھی اور رضوان احمد بڑے ہی تحمل سے اس کی بدتمیزیاں برداشت کر رہے تھے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ ان کے منع کرنے کے باوجود اس نے مردانہ وار چھوٹے چھوٹے بال اور لباس پہننا ترک نہیں کیا تھا بلکہ اور بھی ضد میں آ گئی تھی۔ گھر میں رہتی تو نوکروں کو عاجز کیے رکھتی باہر نکلتی تو راہ چلتے لوگوں کو تنگ کرتی۔ کئی بار تو رشوتیں دے دے کر انہیں اسے پولیس اسٹیشن سے گھر لانا پڑا تھا کہ چھوٹے موٹے روڈ ایکسیڈنٹ یا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کے جرم میں وہ دھر لی جاتی تھی اور کہیں رجسٹرڈ نہ ہو اس لیے کئی بار خوشامد سے کام لے کر اسے بری کرانا پڑا تھا اور جب اس کی اودھم بازیاں حد سے تجاوز کرنے لگیں تو انہوں نے ایک مستقل ڈرائیور اس کے ساتھ کر دیا اس وارننگ کے ساتھ کہ۔

"آئندہ سے تم کار ڈرائیو نہیں کرو گی۔ جہاں بھی جانا ہو ڈرائیور تمہیں لے کر جائے گا اور واپس لائے گا سمجھیں۔" انہوں نے سختی سے کہا تھا۔ ان کے اس حکم بالا دیگر پابندی پر اس نے خوب ہی جی بھر کے واویلا مچایا تھا۔ گھر میں خوب توڑ پھوڑ کی تھی مگر بہرحال ڈرائیور سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تھی۔ گھر کے پورچ میں پانچ کاریں ہر وقت ڈرائیور سمیت موجود ہوتی تھیں۔ وہ کہیں جانے کے لیے نکلتی تو ڈرائیور اپنی سیٹ سنبھال لیتا تھا۔ اور ہر ڈرائیور اپنی جگہ ایک ہی کائیاں ہوتا تھا کہ اس کے لاکھ منع کرنے پر منتیں کرنے پر ڈانٹنے دھمکانے پر بھی ڈرائیونگ سیٹ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

"ہماری مین ڈیوٹی یہی ہے بی بی جی جس دن آپ کو ڈرائیو کرنے دیا اسی دن چھٹی کر دی گئی۔" ہر ڈرائیور کا صاف جواب ہوتا تھا اور وہ تلملا کر رہ جاتی تھی۔

بس یونہی پورا سال گزر گیا تھا لیکن اس کی حرکتوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اسی دوران انہوں نے اسے اپنے دوستوں کی سفارشوں سے طلوا کالج میں ایڈمیشن کروا دیا کہ اپنے ہم عمروں میں رہ کر وہ اپنی ضدوں سے شاید باز آ جائے مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ کالج تو وہ بڑے شوق سے جاتی تھی مگر پڑھتی خاک نہ تھی بس سارا دن آوارہ گردی کرتی رہتی تھی۔ سنجیدہ اسٹوڈنٹس کو اپنی شرارتوں کا نشانہ بنائے رکھتی تھی اور اس کی کارگزاریوں کی یہ ساری رپورٹیں انہیں حرا سے ملتی رہتی تھیں۔ حرا ان کے دوست کی بیٹی تھی اور زوفا کی ہم عمر بھی۔ بڑی سلجھی ہوئی سی لڑکی تھی اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھداری کی باتیں کرنے والی اور وہ چاہتے تھے کہ زوفا زیادہ سے زیادہ حرا کے ساتھ رہے تاکہ اس کی باتوں سے اس کے رویوں سے کچھ سیکھے مگر زوفا نے حرا کو اپنے دوستوں میں شامل ہی نہیں کیا تھا وہ تو حرا خود اس سے مل جاتی تھی کہ رضوان احمد اکثر اسے تاکید کیا کرتے تھے کہ۔ "حرا بیٹے بہت ناسمجھ ہے میری بیٹی اس کا خیال رکھا کرو۔" یوں حرا نے پورے دو سال اس کے ساتھ جونیئر کالج میں گزار دیے تھے مگر اس کے بعد وہ اس سے الگ ہو گئی تھی کہ انٹر پاس کر کے اس نے گریجویشن کے لیے دوسرے کالج میں داخلہ لے لیا تھا جبکہ زوفا نے ضد میں آ کر انٹر ہی میں ایگزامز کے دوران پرچے ہی نہیں دیے تھے اور نتیجتاً فیل ہو گئی تھی۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہی ہو بیٹے۔" اس وقت رضوان احمد نے کہا تھا۔

"جب تک آپ مجھے امریکہ واپس نہیں بھیجیں گے میں بھی اچھا نہیں کروں گی۔" اس کی وہی ضد تھی۔

"تو اب تم میرے مرنے کے بعد ہی جا سکو گی۔ میرے جیتے جی تو یہ ممکن نہیں ہے۔" انہوں نے بھی طے کر لیا تھا کہ اسے ان کے پاس ہی رہنا ہوگا۔ مگر وہ ہمیشہ غصے میں نہیں رہتے تھے بلکہ بڑے تحمل سے اسے سمجھانے کی کوششیں کرتے تھے ہاں کبھی کبھی غصے میں آ جاتے تھے وہ بھی جب موڈ میں ہوتی تو بڑے دھیان سے ان کی باتیں سنتی بعض اوقات مان بھی لیتی تھی مگر ان تین برسوں میں ایسے مواقع بہت کم آتے تھے جبکہ وہ ان کی بات مانتی بھی۔ سمجھانے بجھانے پر ڈھنگ کے کپڑے پہن لیا کرتی تھی اکثر نمازیں بھی پڑھ لیا کرتی تھی کہ اس کی ضد اور

دوہری کے باوجود انہوں نے زور دے دے کر اسے عربی
پڑھنا سکھا ہی دیا تھا۔ خود اسے لے کر بیٹھتے تھے اور اگر وہ
سوا میں ہوتی تو انہیں بھی سختی سے مخاطب کرتے تو انہیں عاجز ہی
کے رتی بھی مگر وہ بھی اسی کے باپ تھے اسے قرآن پڑھنا
سکھا کر ہی دم لیا تھا۔

"قرآن تفسیر کے ساتھ پڑھا کرو بیٹے۔" وہ اکثر
کہتے رہتے تھے۔

"مجھے اردو پڑھنا نہیں آتا جو تفسیر پڑھوں۔" وہ فوراً
جواب دیتی۔

"تو انگلش ٹرانسلیشن میں پڑھو۔"

"نہیں پڑھوں گی میں۔" ایک ضدی ضد تھی اس کی۔
صرف قرآن پڑھ لیتی تھی وہ سمجھنے کی سعی بھی نہیں کرتی تھی اگر
کرتی تو بہت سی مثبت تبدیلیاں اس کے رویوں میں رونما
ہو جاتیں مگر مسئلہ تو یہی تھا کہ وہ کسی کی سنتی نہیں جو چاہتی
تھی۔

"یا اللہ میں اسے کیسے سدھاروں میرے بعد کیا ہوگا
اس کا۔؟" رضوان احمد اس کے لیے بے حد فکر مند تھے اور
اسے راہ راست پر لانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔
مگر جانے کہاں کوئی کمی رہ گئی تھی گزشتہ تین برسوں میں
وہ اسے اس کا لائف سٹائل بدلنے پر آمادہ نہ کر سکے تھے۔

☆......☆......☆

"پاپا...... پاپا۔" وہ انہیں آوازیں دیتی ہوئی
سابق ہونے طیش کے ساتھ ان کے آفس روم میں داخل
ہوئی تھی جبکہ وہ اپنی کمپنی کی خالی آسامیاں پر کرنے کے
لیے امیدواروں کا انٹرویو لینے میں مصروف تھے۔ ان کے
ساتھ کمپنی کے دیگر ذمہ داران بھی بیٹھے تھے مگر اسے نہ تو کسی
کی پروا تھی نہ خیال وہ تو بس اپنی ہی ذات کو ترجیح دینے
والوں میں سے تھی سو انہیں آوازیں دیتی دندناتی ہوئی ان
کے آفس روم میں داخل ہوئی تھی اور کے بغیر شروع ہو گئی
تھی۔

"پاپا اس دو ٹکے کے آدمی کو باہر ہال میں دیکھا ہے
میں نے اس...... کو یہاں بلایئے۔"

"کون۔؟" وہ فوراً ہی سمجھ نہ سکے تھے اس کی بات۔

"وہی جس نے کچھ دنوں قبل میری انسلٹ کی تھی۔"
ان کی اس بے پروائی پر وہ مزید تپ کر تقریباً چلائی۔

"کیسے پاپا...... یہاں میں اس کی انسلٹ کر کے اسے یہاں سے
نکالوں گی ابھی...... جاب نہیں دیں گے آپ اسے بلائیں
اسے ابھی اسی وقت۔"

"یہاں ہے وہ یہیں ہے۔؟" انہوں نے فوراً کرسی
چھوڑ دی تھی۔

"نہیں...... اسے یہاں بلائیں بس وہی آپا بیٹھا
ہے باہر ہال میں۔ میں اسے چھوڑوں گی نہیں پاپا بس آج
کل ہم۔" وہ چیخ کر چلائی تھی۔

"ہم بلاتے ہیں بیٹے پہلے تم ریلیکس ہو کر، تو کرسی
سے اٹھ کر میری دوسری جانب اس کے پاس جا کر کھڑے تھے۔

"نہیں...... آپ پہلے اسے بلائیں بس۔" اس نے
مچل کر کہا تھا۔

"ہم بلاتے ہیں بیٹا...... پہلے تم خود کو نارمل کرو۔
دیکھو کیسے پسینہ پسینہ ہو رہی ہو جاؤ پہلے سانسیں درست
کرو، پانی پیو پھر جیسا تم چاہو گی انسلٹ کرنا اس بندے
کی۔" انہوں نے سرعت سے سوچتے ہوئے بڑی محبت
سے بازو تھام کر اسے آفس سے متصل واش روم میں بھیج دیا تھا
اور خود کمپنی کے جی ایم کی جانب مڑے تھے۔

"بابر صاحب فوراً جائیں آپ اس لڑکے کو اپنے کیبن
میں بٹھا لیں جب تک ہم اپنی ضدی بیٹی کو رخصت کر کے آتے
ہیں۔ یاد رہے وہ ہم سے ملے بغیر جانے نہ پائے۔"
جلدی جلدی کہتے ہوئے وہ واپس کرسی پر بیٹھ گئے تھے اور ان
کی عجلت دیکھتے ہوئے بابر صاحب نے بھی تیزی دکھائی تھی
ان کے پیچھے ہی وہ بھی سرعت سے باہر نکل گئے۔

"ہم سخت عاجز ہیں اس سرپھری لڑکی سے۔" نخوت میں
سر جھکائے ہوئے رضوان احمد نے کرسی سے پشت ٹکا لی تھی
اور کمرے میں موجود دیگر افراد تھکے تھکے مسکرا کر رہ گئے تھے۔ "پاپا
بلائیں اسے۔" اگلے ہی پل وہ باہر آ کر ان کے سامنے تھی۔ غالباً
منہ دھونے اور پانی پینے کے بعد واپس آئی تھی اور ان کے
بازو میں پڑی بابر صاحب کی خالی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"اگلے کینڈیڈیٹ کو بھیجیں۔" انہوں نے انٹرکام پر
کسی کو مخاطب کیا تھا۔ "کیا ہو چکے...... نہیں ایک تھا
ابھی اوہ اچھا...... اچھا چلا گیا۔" انہوں نے بات ختم کر کے
انٹرکام آف کر دیا اور اسے دیکھنے لگے جس کے لب باہم بھنچ
چکے تھے۔ اور غصہ کی شدت سے نتھنے تیزی سے پھول

چمک رہے تھے۔
"وہ چلا گیا ہے.....شاید تمہیں ہی دیکھ کر بھاگ گیا۔"
وہ زیرلب مسکرائے تھے۔
"جانے کہاں...... میں دیکھ لوں گی۔" وہ تیزی سے اٹھی تھی۔
"ٹھیک! اگر تمہیں آفس کے آس پاس مل جائے تو وہیں نپٹ لینا اسے یہاں واپس نہیں آنا......اپنی ضدیں، اپنی بدتمیزیاں گھر تک ہی محدود رکھو تو اچھا ہے۔" پیچھے سے انہوں نے سخت لہجہ میں وارننگ دی تھی اور وہ سر جھٹکتی ہوئی چلی گئی تھی۔
"اوکے.....اب آپ لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر جا سکتے ہیں۔ لنچ آور کے بعد ہم ڈسکس کریں گے کہ کن لوگوں کو جاب مل رہی ہے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھے تو بقیہ سب بھی اٹھ کر اپنے کیبنوں کی جانب چل دیے جبکہ وہ خود باہر صاحب کے کیبن میں آ گئے تھے۔
"سر یہ ہیں مظہر حماد.....میں نے اپنے طور پر تو انٹرویو لے لیا ہے آپ بھی ان کی فائل دیکھ لیں۔ مسٹر مظہر یہ ہمارے ایم۔ڈی مسٹر رضوان احمد۔" باہر صاحب نے اپنی چیئر سے اٹھ کر تعارف دیا تو وہ بھی کرسی سے اٹھا تھا۔
"السلام علیکم سر!" سلام کرتے ہوئے خود اعتمادی سے رضوان احمد کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔
"وعلیکم السلام۔" اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر انہوں نے تفصیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔ سفید شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس خود اعتمادی سے مسکراتا ہوا مظہر حماد انہیں متاثر کر گیا تھا نہ صرف وہ متاثر ہوئے تھے بلکہ اس سے شناسائی بھی محسوس کر گئے تھے۔
"سر میں جاؤں پلیز.....؟" باہر صاحب پوچھنے لگے۔
"نہیں..... آپ بیٹھیں۔" وہ مسکرائے تھے۔
"اوکے سر۔" انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے رضوان احمد کو اپنی کرسی پیش کی تھی اور خود ان کے بازو والی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔
"آپ بھی بیٹھیں بیٹا۔" انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔
"تھینک یو سر۔" وہ زیرلب مسکراتا ہوا ان کے بیٹھنے کے بعد ہی اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ انہوں نے سرسری انداز میں اس کی فائل دیکھی پھر اسے بند کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "اگر ہم غلطی نہیں کر رہے تمہیں پہچاننے میں تو تم وہی مظہر حماد ہو جس سے بچپن میں ہم ملے تھے اور جس نے بہت متاثر کیا تھا ہمیں۔ تم احتشام کے بھتیجے ہو۔ رائٹ.....؟" وہ کہہ کر پوچھ رہے تھے۔
"رائٹ سر۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرایا تھا۔
"تم نے ہمیں نہیں پہچانا.....؟"
"پہچان لیا تھا سر..... میں ایک بار بھی جس سے مل لوں اسے بھولتا نہیں ہوں۔ آپ کو تو بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ سر آپ بڑے پاپا کے دوست ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔
"پھر تم نے پہچان کا اظہار کیوں نہیں کیا.....؟"
"میں آپ سے بچپن میں ملا تھا سر اور یہ ضروری تو نہیں تھا کہ آپ کو یاد بھی ہوتا میں۔"
"ہوں۔" وہ مسکرائے تھے۔ "تم تو دوبئی میں ہوتے تھے نا اپنے بڑے پاپا کے ساتھ پھر یہاں کیسے اور تمہیں ضرورت کیا ہے جاب کی.....؟"
"آئی ایم سوری سر میں صرف آپ کے آخری سوال کا جواب دوں گا وہ یہ کہ جینے کے لیے کھانا ضروری ہے اور کھانے کے لیے کام۔" وہ بہت شائستہ لہجہ میں مخاطب تھا۔
"اور باقی کے سوال.....؟"
"اگر ان کا تعلق جاب سے مشروط ہے سر تو آئی ایم سوری میں تب بھی ان کا جواب نہیں دوں گا کیونکہ یہ میرا پرسنل میٹر ہے اور میں کسی سے بھی ڈسکس نہیں کروں گا۔" وہ قطعی مگر [illegible] انداز میں بات کر رہا تھا۔
"نہیں..... ان سوالوں کا تعلق جاب سے نہیں ہے۔ خیر تم لنچ آور کے بعد ہی اپنی جاب جوائن کر لو۔" وہ بولے تھے۔
"جی!" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا تھا۔
"یوں مت دیکھو برخوردار۔" وہ کہنے لگے۔ "اور یہ سمجھو کہ جاب تمہیں رشتہ داری کی بنیاد پر دی گئی ہے نہیں۔ یہ جاب تمہیں ہی ملنا تھی کہ جس نے ہمیں بچپن میں اپنی ذہانت و قابلیت سے متاثر کیا تھا اب وہ اپنی صلاحیتوں کو مزید نکھار کر ہم تک آیا ہے تو ہم تو اسے یونہی جانے نہیں

دیے گئے۔

"ٹھیک ہے سر۔" وہ پھر مسکرایا تھا۔

"تم بتاؤ...... احتشام کی کیا خبر ہے؟" وہ پوچھنے لگے۔

"ٹھیک ہیں سر۔" وہ مختصراً بولا پھر پوچھنے لگا۔ "کیا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"ہاں...... مگر ایک شرط ہے۔ اسے پورا کرنے کے بعد۔"

"شرط؟" وہ ٹھٹکا۔

"ہاں شرط۔" وہ زیرلب مسکرائے۔ "میں تمہارا انکل ہوں۔ سر کہو گے تو جانے نہیں دوں گا تمہیں۔"

"اوکے...... انکل جی۔" وہ پھر سے ہنس کر رہ گیا تھا۔

"اوکے...... اب جاؤ اور لنچ آور کے بعد واپس آؤ تو لنچ ہمارے ساتھ ہی کرو۔" انہوں نے آفر کی۔

"نو تھینکس انکل...... میں بعد میں آؤں گا۔" وہ کہتا ہوا پہلے ان سے پھر بابر صاحب سے مصافحہ کرکے اپنی فائل لے کر چلا گیا تھا۔

"لڑکا ذہین ترین ہے۔ کئی پوائنٹ رکھے میں نے اس کے سامنے اور وہ لمحوں میں سمجھ گیا۔" بابر صاحب معترف تھے۔

"ہوں۔" وہ محض مسکرا کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

"ہاں احتشام میں ہوں رضوان۔" وہ فون پر مخاطب تھے۔

"اخاہ...... رضوان کیسے ہو، آخر یاد آ ہی گئی تمہیں میری۔" دوسری جانب احتشام احمد بہت خوشی سے چہکے تھے۔

"ہاں مجھے تو پھر بھی یاد آ جاتی ہے لیکن تمہیں کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ مجھے فون کرو یا ملنے ہی آ جاؤ۔ شاید سات سال ہو گئے ہمیں ملے ہوئے۔ بولو کب آ رہے ہو انڈیا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ "یار تمہیں میں کتنی بار بتاؤں کہ میں نہیں آ سکتا۔ مجبوری ہے۔" احتشام احمد کا لہجہ قدرے دھیما پڑ گیا تھا۔

"اور تم مجھے وہ مجبوری نہیں بتا سکتے حالانکہ کہنے کو تو دوست ہو مجھے۔"

"یار پلیز...... اس ٹاپک کو یہیں چھوڑو۔ دوسری بات

غزل

ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی

مرا وطیرہ ہے سب کا خیال رکھتا ہوں
میں اپنے آپ میں اپنی مثال رکھتا ہوں

غموں کا دور ہو یا دور کیف و مستی ہو
خلوص اپنا ہمیشہ بحال رکھتا ہوں

خودی کا درس جو دیتا ہے زندگی کو مری
میں اپنے ہاتھوں میں ایسا سفال رکھتا ہوں

عجب نگاہ سے ہر شخص دیکھتا ہے مجھے
میں جس کے سامنے کوئی سوال رکھتا ہوں

اگر میں چاہوں تو پتھر کو آئینہ کر دوں
میں بادشاہ ہوں اتنی مجال رکھتا ہوں

کسی امیر کی مجھ پر نظر نہ پڑ جائے
نقاب اس لیے چہرے پہ ڈال رکھتا ہوں

قمر رئیس مجھے کیا بتائے گا کوئی
میں اپنی آنکھوں میں دنیا کا حال رکھتا ہوں

کرو۔" وہ بولے تو رضوان خود بھی طویل سانس لے کر رہ گئے۔ ان کے لہجے سے جان گئے تھے کہ اس بار بھی وہ انہیں اپنے انڈیا آنے کی مجبوری نہیں بتائیں گے۔ سات سال قبل جب وہ دبئی میں ان کے گھر پر ملے تھے تب بھی انہوں نے بالکل نہیں بتایا تھا تو فون پر بتانے کا سوال ہی کیا تھا۔ پھر بھی جب دونوں میں کبھی فون تک رابطہ ہوتا تو وہ پوچھے بغیر رہتے نہیں تھے اور وہ بتائے بغیر دوسری باتیں کرنے لگتے تھے۔

"ہیلو..... سو گئے کیا؟" دوسری جانب سے احتشام نے پکارا تو وہ چونکے پھر دھیرے سے ہنس کر کہنے لگے۔

"نہیں یار تمہاری مجبوری نے پریشان کر رکھا ہے تم مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو مسئلہ کیا ہے۔"

"یار چھوڑو۔" احتشام احمد کے لہجے میں عاجزی تھی۔

"اچھا۔" وہ سر جھٹک کر کہنے لگے۔ "میں منصور سے ملا ہوں میں اور"

"کیا منصور... منصور سے؟" انہوں نے بے تابی سے ان کی بات کاٹی تھی۔ "کہاں ملا تمہیں کب ملا کس حال میں ہے۔ رضوان مجھے بتاؤ جلدی۔"

"یہ تو تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ انڈیا میں کیوں ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ تم جیسے بزنس مین کا بیٹا ہو کر وہ جاب کی تلاش میں ہے بتاؤ کیوں ہے؟"

"میں بتاؤں گا..... پہلے تم بتاؤ مجھے کہ وہ کیسا ہے کب ملا تم سے۔"

"آج ہی ملا ہوں میں اس سے۔" وہ کہنے لگے۔

"اس سے ایک بار ملا تھا میں جب شاید وہ دس سال کا تھا وہ تم نے ہی ملوایا تھا اسے مجھ سے اور آج جب اتنے برسوں بعد وہ مجھے دوبارہ ملا تو میں اسے فوراً پہچان گیا۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا وہ میری کمپنی میں جاب کے لیے آیا تھا اور جاب اسے مل گئی ہے مگر میں حیران ہوں کہ اسے جاب کی کیا ضرورت وہ تمہارے ساتھ بھی تو کام کر سکتا تھا۔"

"اس نے تمہیں کوئی وجہ نہیں بتائی؟"

"نہیں..... میرے پوچھنے پر اس نے صاف انکار کر دیا کہ یہ اس کا پرسنل میٹر ہے پھر بھلا میں مزید کیا پوچھتا۔ تم بتاؤ جب وہ انڈیا آیا تو تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔"

"وہ گزشتہ نو سالوں سے انڈیا میں ہی ہے۔" احتشام احمد نے طویل سانس لی تھی۔

"واٹ!" وہ حیران ہوئے۔ "وہ نو برسوں سے یہاں ہے اور تم مجھے آج بتا رہے ہو۔ بتاتے تو کیا جاتا تمہارا کیا میں اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔" وہ گرم ہو رہے تھے۔

"یار میں کیسے بتاتا..... مجھے صرف اتنا پتہ تھا کہ وہ انڈیا میں ہے۔ کہاں؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔"

"یہ کیسی بات کر رہے ہو تم احتشام؟" وہ اور بھی حیران ہوئے۔

"ہاں یار۔" وہ پھر طویل سانس لے کر گئے۔ "سولہ سال کا تھا وہ جب گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا تب سے آج تک میں نے اسے دیکھا نہیں۔"

"یار گھر کیوں چھوڑا اس نے؟"

"بس یار کیا بتاؤں میری وائف کا رویہ ٹھیک نہیں تھا اس کے ساتھ بڑی بڑی باتوں پر ٹوکا کرتی تھی۔ وہ اس سے تنگ آ کر بھاگ گیا۔"

"اور تم نے اسے تلاش نہیں کیا؟"

"بہت کیا مگر یہاں دبئی میں ہی مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ وہ انڈیا چلا جائے گا۔ اس کے جانے کے ایک سال بعد مجھے اس کا خط ملا اس تحریر کے ساتھ کہ بڑے پاپا میں انڈیا میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔ آپ میری فکر نہ کریں میں جہاں ہوں وہاں اگر آپ نے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی یا کسی کو بھی کہا تو یاد رکھیے میں خودکشی کر لوں گا۔"

"اس نے دھمکی دی اور تم ڈر گئے؟"

"ہاں ڈر گیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ کتنا ضدی ہے۔ جو کہہ دے وہ کر دیتا ہے۔ یار وہ مجھے بہت عزیز ہے اپنے بچوں سے بڑھ کر میں نے اس کا خیال رکھا ہے بس یہی بات تمہاری بھابی کو بہت کھلتی تھی وہ تنگ نظر جھگڑالو عورت اسے ذلیل کرنے پر تل جاتی تھی اور وہ کب تک برداشت کرتا۔ مجھے اکثر کہتا رہتا تھا کہ بڑے پاپا مجھے بورڈنگ اسکول بھیج دیں مگر میں اسے ٹال دیتا تھا کہ میں اسے خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا اور جب بڑی ماں کی زیادتیاں اس کی برداشت سے باہر ہونے لگیں تو اس نے مجھ سے کہا کہ بڑے پاپا مجھے بورڈنگ بھیج دیں ورنہ میں گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی میں

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com/

نے اس کی فرمائش پر زیادہ توجہ نہ دی اور وہ وقتی چپ ہو گیا۔ پھر جب ایک سال بعد اس کا خط ملا اور اس نے دھمکی دی تو رضوان میں واقعی ڈر گیا کہ کہیں وہ سچ مچ خود کو ہلاک نہ کرلے اگر وہ ایسا کچھ کر لیتا تو پھر میں یوم آخرت اس کے والدین کو کیا منہ دکھاتا جنہوں نے مرتے وقت اس کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن ہے میں اس کے خطوط پڑھ کر بس اس کی سلامتی کی دعا ہی مانگ لیا کرتا ہوں۔"

"ہوں... تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ٹھان لیتا ہے کر گزرتا ہے۔" وہ چپ ہوئے تو رضوان احمد پوچھنے لگے۔

"ہاں بس وہ ایسا ہی ہے۔ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا تو بس پھر اسے حاصل کر کے ہی رہتا ہے اور جسے چھوڑنے کی سوچ بیٹھا پھر اسے مڑ کر نہیں دیکھتا۔ دیکھو ناں کتنے ہی سالوں سے میں ترس رہا ہوں اسے دیکھنے کو مگر وہ جو چھوڑ کر گیا تو آج تک واپس نہیں آیا۔ بس مجھے خط لکھتا رہتا ہے تاکہ میں اس کے لیے پریشان نہ ہوں۔ خیر تم بتاؤ مجھے اس کے بارے میں کیسا ہے وہ کسی جاب کے لیے آیا تھا کہیں لگ گیا یا پھر ایسے ہی تو نہیں بن بیٹھا ہے۔"

"نہیں یار۔" وہ ہنس کر کہنے لگے۔ "وہ پاکی کو واپس ہو کر آیا ہے مجھ تک اور میں نے اسے اپنی کمپنی کی ریجنل برانچ کا چارج دے دیا ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ اس نے معاشرے میں اپنا مقام خود بنا لیا ہے۔" احتشام احمد تشکر سے بولے تھے۔ "اور بتاؤ مجھے اس کے بارے میں کہاں رہتا ہے۔" "تم تک آنے سے قبل کیا کرتا رہا ہے؟"

"میں فی الحال زیادہ نہیں جانتا مگر کچھ دنوں بعد پتا کر کے تمہیں بتا سکتا ہوں۔ اس سے کچھ پوچھنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا کہ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ پرانے پرسنل میٹرز کسی سے ڈسکس نہیں کرے گا مگر تمہاری خاطر میں اپنے طور سے پتا لگواؤں گا کہ وہ کس حال میں رہتا رہا ہے اب تک؟"

"تھینکس یار۔" وہ ممنونیت سے بولے تھے۔ "میں خوش قسمت ہوں جو تم میرے دوست ہو۔"

"رشتے وہ... دوست ہے تم مجھے کچھ نہیں بتاتے تو اپنی وہ مجبوری مجھے ضرور بتاتے۔" وہ قدرے خفگی سے بولے۔

"چلو تم بتاؤ۔"

"کب؟"

"ابھی... یہی منتظر ہی ہوگی۔"

"وہ تم آن پارٹی میں نہیں جانا کہ تم اس کی وجہ سے ڈر کر اپنا نے کی قسم کھا بیٹھے۔"

"تم یہ تو کہہ سکتی ہو۔" وہ کہنے لگے۔ "میں نے ایک بار اس کی بھی اسکالرشپ لگانے کی اور جانے کیسے اسے خبر ہوگئی تب اس نے میرا فون کھڑکا دیا یہ کہتے ہوئے کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں؟" اور مجھے پتا ہے وہ مرنگ ہے۔ اگلی بار میں مجھے پتا لگنے کے بجے خود کو زندہ نہیں رکھوں گا کہ میری تلاش کی کوشش نہ کریں۔ بس یار پھر میں نے چپ سادھ لی کہ بہرحال مجھے اس کی زندگی عزیز ہے۔"

"یعنی کہ واقعی دھن کا پکا ہے۔" وہ جانے کیا سوچ کر بولے تھے۔

"ہاں لگتا..." وہ دھیرے سے ہنس دیے۔ "اب تم ہو اس کے پاس تو اس کا خیال رکھو۔ سمجھو کہ سمجھانا کہ مجھ سے ملنے وہ آ جائے اس کے پاس۔"

"میں سمجھاؤں گا سے... فرصت ہو۔"

"او کے... پھر جلدی فون کرنا۔"

"ہے او کے گیس آ ہی... اب تم فون کرو گے کیونکہ آج میں نے تمہارا بل کافی بڑھا دیا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔" وہ کہہ کر ہنسے تھے۔

"او کے یار۔" احتشام احمد بھی ہنسے تھے پھر الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

رضوان احمد اب تک اپنی خود سے مرتی زندگی گزار رہے تھے مگر منظر حماد سے ملنے کے بعد انہیں جیسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کو جینے کا ڈھنگ سکھا سکے گا۔ بیٹی کے لیے جیسے شوہر کا خیال پہلے انہوں نے تراشا تھا وہ انہیں منظر حماد کی صورت میں نظر آ گیا تھا۔ کچھ ان کی اپنی غرض بھی۔ کچھ احتشام احمد کی دوستی کا پاس تھا جو انہوں

لیے اپنے طور پر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلی
تھیں۔ اس کار ایکسیڈنٹ کے بعد جو جنرل میں درج تھی وہ ان
اس کی تلاش میں انہوں نے وہی مطلوبہ معلومات حاصل
کرلی تھیں اس کے دوستوں سے بھی ملے تھے کہ آدمی کردار
کی پہچان اس کے دوستوں سے بھی ہوا کرتی ہے اور انہوں
نے اس کے سارے دوستوں کو اسی کی طرح مہذب اور
سلجھا ہوا پایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس کی پیشہ وارانہ صلاحیتیں
بھی دیکھ چکے تھے۔ کمپنی کی ایک برانچ کل طور پر انہوں نے
اسے سونپ رکھی تھی اور وہ بڑی خوش اسلوبی سے اپنے
فرائض انجام دے رہا تھا جاب کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے
اسے کار اور رہائشی مکان کی سہولت بھی دے دی تھی اسی
دوران احتشام احمد نے فون کیا تو انہوں نے اس کے
بارے میں انہیں ساری تفصیل بتادی تھی۔

"احتشام تمہارا بھتیجا آئیڈیل پرسن ثابت ہوا ہے۔
اس کی کم عمری سالار زندگی کی جدوجہد سے عبارت
ہے وہ آج جو بھی ہے اپنی محنت و قابلیت کی وجہ سے
تمہیں فخر ہونا چاہیے کہ اس نے اپنا کیریئر خود بنایا ہے کسی
سہارے کے بغیر۔" انہوں نے اس کی تعریفیں کی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔" احتشام احمد بہت خوشی سے بولے
تھے۔ "تم نے اس سے میرے بارے میں کوئی بات کی،
بتایا اسے کچھ؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"ہاں میں نے بات کی اور مجھے کچھ سمجھانے کی
ضرورت ہی نہیں پڑی کہ وہ میری پوری بات سنے بغیر ہی
کہنے لگا تھا کہ وہ عنقریب تم سے ملے گا تمہیں اپنے پاس
بلائے گا۔" انہوں نے بتایا تھا اور اس نے جیسا کہا تھا کہ

"انکل میں عنقریب بڑے پاپا سے ملوں گا انہیں یہیں
بلاؤں گا۔" تو اس نے ویسا ہی کیا ابھی خود جا نہیں سکا تو
بڑے پاپا کو اپنے پاس بلالیا اور بڑے پاپا تو منتظر تھے ہی اس
کی ایک کال پر بھاگے چلے آئے تھے اس دوران وہ کئی بار
اپنے بڑے پاپا کے ساتھ ان کے گھر بھی آیا کبھی لنچ تو کبھی
ڈنر ان کے ساتھ کیا مگر ہر بار اتفاق ایسا ہوا کہ زوفا سے اس
کا سامنا نہیں ہوسکا۔ البتہ وہ ایک بار احتشام احمد سے ملی تھی
مگر اس دن منصر ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ اکیلے ہی
رضوان احمد کے گھر آئے تھے جب انہوں نے زوفا کو ان
سے ملوایا تھا اور وہ بس رسمی سی ہائے ہیلو کر کے چلی گئی

تھی۔ اس وقت رضوان احمد نے چاہا کہ احتشام سے بات
کریں کہ منصر اور زوفا کے بارے میں وہ کیا سوچتے ہیں
پھر یہ سوچ کر رک گئے کہ وہ ایک بار منصر اور زوفا کو ملوا
کر کے دونوں خصوصاً منصر کا ردعمل دیکھنا چاہتے تھے کہ
ان کی بیٹی کی پرسنیلٹی کے جواب میں کیسا رویہ رکھتا ہے
اگر انہوں نے اسے اپنے خیال کے مطابق پایا تو پھر وہ
احتشام سے اسے ضرور مانگ لیں گے اپنی بیٹی کے شوہر
کے روپ میں۔ یوں انہوں نے اس سلسلے میں احتشام
سے فی الحال کوئی بات نہیں کی تھی اور وہ واپس چلے
گئے تھے۔

☆......☆......☆

وہ ان دونوں کا سامنا کرانا چاہتے تھے اور اس کا موقع
انہیں جلدی مل گیا۔ اس دن شدید زکام ہونے کی وجہ سے
انہوں نے آفس جانا ملتوی کردیا تھا اور خلاف معمول زوفا
بھی انہیں گھر میں ہی نظر آرہی تھی۔

"کالج نہیں جانا کیا بیٹے۔" وہ پوچھنے لگے۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"موڈ نہیں ہے۔"

"پھر کیا کرنے کا موڈ ہے؟"

"کچھ نہیں میں آج گھر میں رہوں گی۔" وہ بولی
تھی اور ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی تھی اور تب انہوں نے
کچھ سوچتے ہوئے منصر کو فون کیا تھا۔

"بیٹے! تائیوان والوں کی فائل لے کر گھر آجاؤ۔ کچھ
پوائنٹس ڈسکس کریں گے اور لنچ ساتھ میں کریں گے۔ میں
آفس نہیں جارہا ہوں تم آجاؤ۔"

"خیریت انکل؟" وہ پوچھنے لگا۔

"زکام ہے بیٹے بس اسی لیے آفس نہیں جارہا، تم
آرہے ہو؟"

"جی انکل۔"

"اوکے پھر جلدی آجاؤ میں منتظر ہوں۔" انہوں نے
کہہ کر فون بند کردیا پھر اسے دیکھا جو ذرا فاصلے پر بیٹھی ٹی
وی پروگرام دیکھنے سے زیادہ چینل بدلنے میں مصروف تھی اور جب
تیس پینتیس منٹ بعد کال بیل بجی تو وہ اس سے کہنے
لگے۔

"کر دکھانے دیکھو کون ہے؟"

"تو کس لیے ہے؟" وہ بے پروائی سے بولی۔

"بیٹے کچھ کام خود بھی کر لینے چاہئیں۔ جاؤ دیکھو کون آیا ہے، چلو اٹھو شاباش، جلدی۔" انہوں نے محبت سے پچکارا تو وہ بھی جانے کس موڈ میں تھی جو اٹھ کر دروازہ کھولنے چل دی تھی اور انہوں نے اپنی ساری توجہ اسی جانب کر دی تھی۔ بھاری منقش دروازہ کھولتے ہی جس پر نظر پڑی تھی وہ اسے کیسے بھول سکتی تھی وہ وہی تو تھا جس نے سرعام اس کی انسلٹ کی تھی، جس سے بدلہ لینے کے لیے وہ مہینوں بے چین ہی پھرتی تھی مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا تھا اور آج جب نظر آیا تو وہ اسے کیوں بخشتی اسے دیکھتے ہی وہ آپے سے باہر ہو چکی تھی۔

"تم... یو وہ گھٹیا سے آدمی... تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر تک آنے کی۔ اب میں دیکھوں گی تم یہاں سے واپس کیسے جاتے ہو۔ شرٹ دھلوائی تھی نا مجھ سے اب میں بتاؤں گی تمہیں کہ میں تمہیں بھی دھو سکتی ہوں۔" وہ چیخ رہی تھی اور رضوان احمد بخوبی سن رہے تھے مگر ذرا اوٹ میں ہو گئے تھے تاکہ وہ انہیں پکار نہ سکے۔

"دھلائی کی ضرورت آپ کو ہے مس! ہٹیے سامنے سے، راستہ دیجیے مجھے۔" انہوں نے منصر کی قدرے پرسکون آواز سنی۔

"نہیں دوں گی کیا کر لو گے؟"

"جب شرٹ دھلوا سکتا ہوں تو راستہ بھی ہٹوا سکتا ہوں آپ سے۔ ہٹیں آپ۔" وہ ایک دم ہی آگے بڑھا تھا اور وہ تیزی سے دونوں بازو دروازے کے دونوں اطراف پھیلا کر تن کر کھڑی ہو گئی تھی کچھ تو اس کی شارٹ سی شرٹ تھی اور کچھ اس کی بے باکی جو وہ ایک دم ہی جھجک کر رک گیا تھا۔

"مجھے انکل سے ملنا ہے ہٹیں پلیز۔" اس نے شائستگی اپنائی۔

"کون انکل؟" وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"مسٹر رضوان۔"

"وہ میرے پاپا ہیں۔"

"بدقسمتی ہے ان کی۔" وہ بہت بے ساختگی سے بولا

قومی نظم

بزمی عباسی

اے ماں ترے قدموں پہ فدا ہو کے رہیں گے
دنیا کے لیے درس وفا ہو کے رہیں گے

ہم ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہو کے رہیں گے
بیواؤں یتیموں کی دعا ہو کے رہیں گے

ماتھے پہ ترے کوئی شکن آ نہ سکے گی
ہم دشمن بھارت کی قضا ہو کے رہیں گے

ہنس ہنس کے پہن لیں گے کفن اپنے لہو کا
ہاتھوں میں ترے رنگ حنا ہو کے رہیں گے

ہم تجھ پہ لٹائیں گے زمانے کی بہاریں
اے ماں تری رحمت کی گھٹا ہو کے رہیں گے

جو پیار سے جپتے ہیں ترے نام کی مالا
دنیائے محبت کے خدا ہو کے رہیں گے

ہم پیار و محبت سے تری گود میں کھیلے
کیسے ترے قدموں سے جدا ہو کے رہیں گے

ہر بے کس و مظلوم کی بن جائیں گے طاقت
ہر درد کی انساں کے دوا ہو کے رہیں گے

دیوی ہے تو اک پیار و وفا کی جہاں میں
ہنس کھیل کے ہم تجھ پہ فدا ہو کے رہیں گے

بزمی ہیں ترے ویر تری گود میں کھیلے
ناموس پہ ہم ترے فدا ہو کے رہیں گے

تھا۔ جہاں اندر بیٹھے رضوان احمد مسکرائے تھے وہیں وہ بھڑکی تھی۔

"تو وہ لگے کی تمہیں تو میں۔"

"چلیں آپ نے میری قیمت دو ٹکا لگائی ہے اپنی بیٹی کی آپ کی کیا قیمت ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ گیا تھا اور بڑے تحمل سے کہہ رہا تھا۔ "کچھ نہیں..... کوئی قیمت نہیں ہے آپ کی میں تو پھر بھی دو ٹکے کا ہوں آپ کیا ہیں صرف باپ کی دولت پر عیش کرنے والی ایک مغرور اور بددماغ لڑکی۔ گیٹ آؤٹ۔" وہ بولا تھا اور قبل اس کے کہ وہ مزید بھڑکتی رضوان احمد پکارتے ہوئے سامنے چلے آئے تھے۔

"زوفا بیٹے کیا ہوا..... کون ہے..... او معظم بیٹے آؤ..... آؤ ناں..... زوفا راستہ دو بیٹے۔" انہوں نے کہتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا جو دروازہ روکے کھڑی تھی۔

"پاپا یہ وہی بدتمیز ہے جس نے مجھ سے اپنی شرٹ دھلوائی تھی وہ بھی سڑک پر سب کے سامنے۔" وہ چیخنے لگی۔

"غلطی تم نے کی تھی بیٹے۔ چلو جاؤ اب اندر۔" وہ بولے۔

"نہیں جاؤں گی میں۔ اسے یہاں سے نکالیں آپ۔"

"یہ نہیں جائے گا۔ تم جاؤ یہیں۔"

"پاپا۔" وہ پیر پٹخ کر چلائی۔ "کیوں بلایا آپ نے اسے۔"

"اس لیے کہ مجھے اس سے کام ہے۔ یہ میرے بہت اچھے دوست کا بیٹا ہے اور میرے ساتھ کام کرتا ہے۔"

"آپ نے کیوں دی اسے جاب..... اسے چلتا کریں پاپا ورنہ..... ورنہ۔" وہ اس کی جانب جھپٹی تھی جو پاس ہی کھڑا تھا۔

"واٹ نان سنس زوفا..... اندر جاؤ تم۔" رضوان احمد اسے بازو سے پکڑ کر لے گئے تھے۔

"سوری بیٹے..... بدتمیز لڑکی ہے۔" واپس آ کر وہ بولے تھے اور جواباً وہ محض سر ہلا کر فائل کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ ان سے کاروباری معاملات ڈسکس کرنے لگا تھا مگر اب رضوان احمد کا ذہن کاروبار میں نہیں بلکہ کہیں اور تھا جب ہی تو اس سے کہنے لگے۔

"ارے چھوڑو بیٹے..... کل دیکھیں گے۔ تم بتاؤ کب سے جانتے ہو؟"

"جانتا تو آج ہی ہوں انکل۔" وہ بولا۔

"پھر وہ لڑکی کیوں گرم ہے.....؟"

"جی بس وہ۔" وہ محض مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

"تو وہ سچ کہہ رہی تھی کہ تم نے اس سے اپنی شرٹ دھلوا کر ہی دم لیا تھا۔"

"جی بس انکل غصہ آ گیا تھا اور پھر غلطی بھی ان کی تھی۔"

"ہم جانتے ہیں بیٹے اور بہت فکرمند بھی ہیں اس کے لیے۔ پتہ نہیں کیا ہوگا اس لڑکی کا۔" انہوں نے سانس لی تھی۔

"تو پھر میں چلوں انکل.....؟" وہ بولا۔

"ارے لنچ؟"

"پھر بھی سہی۔"

"آج کیوں نہیں.....؟"

"جی بس۔" وہ اسی قدر بولا۔

"ڈر ہے ہو زوفا سے کہ پھر بدتمیزی نہ کرے" پوچھنے لگے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے انکل۔" وہ کہنے لگا۔ "بار اتفاقاً ان سے جھڑپ ہو گئی تھی اور میں نہیں چاہتا بار ہو۔ انکل ایک بار ان سے غلطی کی تھی ان کا رویہ اپنایا تو نے بدلے لے کر حساب برابر کر دیا اب نہیں چاہتا کہ ان کا میرا سامنا ہو اور خوامخواہ کی بات بڑھ جائے۔" کہہ ہوا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا گویا بات سے پھر کہنے لگے۔

"اب وہ نہیں آئے گی اپنے کمرے میں چھوڑ چکا ہوں رہے گی جب تک غصہ نہیں اتر جاتا وقت ہو گیا ہے کھانے کا۔"

"سوری انکل..... آج نہیں۔" وہ کہنے لگا۔ "میں آج دوستوں کے ساتھ لنچ کا پروگرام تھا میں سوچ تھا کہ کام سے فارغ ہو کر آپ کو بتا دوں گا۔"

"اوکے بیٹے۔" وہ مسکرا دیے پھر پوچھنے لگے۔

"تنہائی دور کرنے کے لیے دوستوں کا سہارا ہو۔ اور کچھ نہیں سوچا بھی؟"

"جی کیا؟" وہ سمجھا نہیں۔

"شادی کرو گے بھئی۔" وہ ہنس کر بولے۔ "کیا سوچا ہے اس سمت میں؟"

"جی کچھ سوچا نہیں ہے بس بڑے پاپا پر یہ فیصلہ چھوڑ دیا ہے وہ جو چاہیں۔ اوکے میں چلوں گا۔" وہ اٹھتا ہوا اندر گیا تھا۔ پھر وہ چلا گیا اور وہ دیر تک وہیں بیٹھے اس کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ سونے کے لیے لیٹ گیا تھا جب موبائل بجنے لگا تو اس نے لیٹے لیٹے ہی سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا تھا۔

"جی بڑے پاپا..... السلام علیکم" اسکرین پر بڑے پاپا لکھا دیکھ کر وہ فون آن کرتا ہوا لیٹنے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیسے ہو بیٹے۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں بڑے پاپا آپ کی دعائیں ہیں۔ اپنی سنائیے۔" وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"کھانا کھا کر سونے جا رہے تھے تم؟"

"جی۔"

"کچھ باتیں کرنا چاہ رہے تھے ہم تم سے۔"

"تو کریں نا بڑے پاپا..... یوں بھی ابھی مجھے نیند نہیں آئی ہے میں تو رات بھر آپ سے باتیں کر سکتا ہوں۔"

"بھئی بیٹے تم سے ہم نے ایک بار بات کی تھی شادی کے بارے میں۔"

"ہاں تو.....؟"

"تو کیا سوچا تم نے..... کوئی پسند بھی کی یا.....؟"

"بڑے پاپا میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں آپ سے پھر بھی آپ پوچھ رہے ہیں۔"

"مطلب یہ کہ ہماری ہی پسند سے کرو گے شادی۔"

"یقیناً بڑے پاپا..... اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ میں نے آپ پر چھوڑ دیا ہے۔"

"تو ہم نے فیصلہ کر لیا ہے بیٹے ایک لڑکی پسند کر لی ہے تمہارے لیے۔" وہ بتانے لگے۔

"ہوں۔" وہ محض مسکرا کر رہ گیا کچھ بولا نہیں تو وہ ہی پوچھنے لگے۔

"پوچھو گے نہیں کہ کون ہے۔ کیسی ہے؟"

"آپ نے پسند کی ہے بڑے پاپا تو ظاہر ہے اچھی ہی ہوگی۔" وہ مسکرایا تھا۔

"ہاں اچھی تو ہے مگر پھر بھی بیٹے اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو ہمیں بتادو ہم اسے اولیت دیں گے۔"

"کوئی نہیں ہے بڑے پاپا..... آپ یقین کریں نا۔" وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"اوکے تو سنو ہم نے رضوان کی بیٹی کو پسند کیا ہے تمہارے لیے۔"

"یعنی زوفا۔" وہ قدرے ٹھٹکا تھا۔

"ہاں اچھی بچی ہے۔ تم ملے ہی ہوگے اس سے کیا پسند نہیں آئی تمہیں؟"

"جی بڑے پاپا اس نظر سے کبھی اسے دیکھا ہی نہیں..... آپ کہہ رہے ہیں تو اچھی ہی ہوگی مگر بڑے پاپا بہت خود سر ہے ضدی سی سرپھری لڑکی۔"

"ہاں جیسے تم ہو۔" وہ ہنس کر بولے تھے۔

"بڑے پاپا میں بے جا ضد نہیں کرتا۔" جواباً وہ بھی ہنسا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ زوفا پسند ہے یا نہیں۔" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

"بڑے پاپا آپ نے پسند کیا تو سمجھیں مجھے بھی پسند ہے۔"

"نہیں بیٹے دیکھو اگر تم نہیں چاہتے تو صاف منع کرو، میں رضوان سے بات کرلوں گا۔" وہ کہنے لگے۔

"رضوان نے خود بات کی تھی مجھ سے بہت فکر مند ہے وہ اپنی بیٹی کے لیے اور اس کی نظر تم پر ہی ٹھہری ہے۔ اس کا کہنا ہے اس کی بیٹی کو بس تم جیسا ہی کوئی سنبھال سکتا ہے۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا ہے کیونکہ پہلے تمہاری رائے لینا چاہتا تھا اب تم بولو میں اس سے کہہ دوں گا۔"

"میں کہہ تو چکا بڑے پاپا۔"

"یعنی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"نہیں بڑے پاپا۔"

"ٹھیک..... تو پھر میں ابھی رضوان کو بتادوں گا۔ تم اس سے مل کر باقی کے معاملات طے کر لینا۔ وہ جلد از جلد شادی کرانا چاہ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اگر تم راضی ہوئے تو اسی ماہ کے آخر تک وہ شادی ارینج کر دے گا۔ تم اس سے ملو اور بات کرلو۔ ٹھیک ہے؟" وہ بتا کر پوچھنے لگے۔

"میں کیسے بڑے پا..... میں کیا بات کروں گا۔" وہ قدرے نروس سا ہوا۔

"یار تم اپنی شادی کی بات نہیں کر سکتے۔" بڑے پا اس کے انداز پر محظوظ ہو کر ہنسے تھے۔

"نہیں کر سکتا بڑے پا..... آپ آ جائیں نا۔" وہ جھینپ کر ہنس دیا۔

"بیٹے اتنی جلدی تو ہم نہیں آ سکتے۔ اگلے چھ ماہ تک ہمیں فرصت نہیں ہے۔ ایک پروجیکٹ شروع کر رکھا ہے یہاں جبکہ رضوان کو شادی کی جلدی ہے۔"

"تو آپ ان سے کہہ دیں بڑے پا..... چھ ماہ بعد کریں شادی جب آپ آ سکیں۔"

"ہمارا آنا اتنا ضروری بھی نہیں ہے بیٹے..... ہمارے لیے تو اتنا ہی بہت ہے کہ تم نے ہماری پسند کو اہمیت دی۔"

"ضروری ہے بڑے پا..... میں یہاں اکیلا کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"تمہیں کچھ کرنا نہیں ہوگا بیٹے۔ سارا انتظام رضوان خود کرے گا۔ اس نے تو جانے کتنی پلاننگ کر رکھی ہیں بتا رہا تھا ہمیں۔"

"کیسی پلاننگ بڑے پا؟"

"اس سے ملو گے تو وہ خود بتا دے گا۔ بس بیٹے تم اتنا یاد رکھنا کہ رضوان نے تم سے بہت امیدیں وابستہ کر لی ہیں۔ اسے یقین ہے اس بات کا کہ بس تم ہی اس کی بیٹی کے ساتھ نباہ کر سکتے ہو اور ہمیں بھی یقین ہے کہ تم رضوان کی امید و یقین پر پورے اترو گے۔ اس نے تمہیں منتخب کیا ہے تو ظاہر ہے۔ کچھ سوچ کر ہی کیا ہے۔ ہم سے وعدہ کرو بیٹے کہ اگر اس ضدی مگر نادان سی بچی سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو تم درگزر کر دو گے۔" بڑے پا بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"میری طرف سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی بڑے پا آپ اطمینان رکھیں۔"

"تھینکس بیٹے..... اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے بس میں فون رکھوں..... تم مل لو گے نا رضوان سے؟"

"جی بڑے پا..... جب آپ آ نہیں رہے تو ظاہر ہے مجھے ہی بات کرنی ہوگی۔ آپ آ جاتے تو زیادہ اچھا تھا بڑے پا۔"

"ہم آئیں گے بیٹا مگر بعد میں۔ او کے [illegible] رضوان سے ابھی بات کریں گے تم اس سے [illegible] لینا ٹھیک ہے۔"

"جی بڑے پا۔" وہ بولا تو انہوں نے ایک [illegible] ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

بڑے پا نے اس سے کہا تھا کہ وہ رضوان احمد [illegible] کر بات کرے لیکن اگلے دن اتوار تھا۔ آفس تو [illegible] کہ رضوان احمد سے ملاقات ہوئی اور ان کے [illegible] ہوئے عجیب سی جھجک مانع ہو رہی تھی۔ وہ [illegible] تھا کہ جا کر ان سے ملے مگر اب شام ہو گئی [illegible] سوچتا ہی رہ گیا تھا۔ وہ نہیں جا سکا لیکن رضوان احمد [illegible] تک چلے آئے۔

"انکل آپ!" کال بیل کے جواب میں [illegible] کھول کر انہیں دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوا تھا۔

"ہاں بھئی بیٹے پیاسے کو ہی جانا پڑتا ہے کنویں [illegible] پاس کنواں اس تک نہیں آتا۔ غرض تو ہماری ہے [illegible] لیے ہم چلے آئے تم تک۔" وہ مسکرا کر کہہ رہے تھے۔

"غرض تو میری بھی ہے انکل۔" وہ زیر لب [illegible] ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ "تو پھر تم آئے [illegible] نہیں ہم تو کب سے منتظر تھے۔"

"جی بس..... سوچتا ہی رہ گیا آ نہیں سکا۔" [illegible] بات پر ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ "بات تو [illegible] بڑے پا سے بات ہوئی تھی ہماری۔ ہم تمہارے شکر[illegible] بیٹے اگر تم انکار کر دیتے تو بڑی مایوسی ہوتی ہمیں [illegible] تک ہمیں کوئی اور ایسا نظر نہیں آتا جو ہماری بیٹی کے [illegible] نباہ کر سکے۔"

"ایسا کیوں کہہ رہے ہیں انکل وہ اتنی بری تو [illegible] ہے۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"ہوں..... مطلب یہ کہ دل سے راضی ہو [illegible] بڑے پا کی بات مان کر نہیں۔"

"جی انکل..... مجھے اتنا یقین تو ضرور ہے [illegible] میں آپ کی بیٹی کو خوش رکھ سکتا ہوں عمر بھر۔" اس [illegible] میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

"خود پر تمہارا ایسا اعتماد تو پسند آیا ہے ہمیں [illegible]

ہم اس فیصلے تک پہنچ سکے ہیں کہ تم ہی ہماری بیٹی کے ساتھ گزارا کرسکتے ہو۔ اسے جینے کے طور طریقے سکھا سکتے ہو۔" وہ طویل سانس لے کر مسکرائے تھے۔

"کیا وہ بھی راضی ہے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ہم نے ابھی اس سے کوئی بات نہیں کی ہے اور کریں گے بھی نہیں۔ ہم تو بس اسے بتائیں گے کہ اس کی شادی تم سے ہوگی۔"

"یہ تو زیادتی ہوگی انکل...... آپ کو اس کی بھی رائے لینا چاہیے۔"

"نہیں...... ہم ایسا نہیں کرسکتے۔" "جیسی وہ لڑکی ہے اس سے تو بس اسی طرح ہم اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ تم اسے جانتے نہیں ہو، ہم جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی اسے جان لو......" انہوں نے بلا کم و کاست ساری باتیں بتادی تھیں پھر کہنے لگے۔ "وہ اکلوتی اولاد ہے ہماری اور ہم نے یہ سوچ کر اسے بابی کے حوالے کیا تھا کہ وہ ہم سے بہتر انداز میں اس کی تربیت کریں گی مگر یہ شاید بھول گئیں ہماری کہ ہم جن خطوط پر اس کی پرورش کرنا چاہتے تھے اس کی آنٹی نے ان خطوط کو نظر انداز کردیا۔ بے شک انہوں نے بہت محبتیں دیں ہماری بچی کو مگر یہ بتانا بھول گئیں کہ جب ہمیں محبتیں ملیں تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے ہم بھی جواب میں محبتیں لوٹائیں صرف یہ سوچ کر نہ بیٹھیں کہ صرف ہم ہی چاہے جانے کے قابل ہیں بلکہ یہ سوچیں کہ ہم سے جڑے دیگر رشتے بھی چاہے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ ساری باتیں وہ لڑکی نہیں سوچتی ہے وہ صرف اپنے لیے جینا چاہتی ہے۔ صرف اپنی ذات کو ترجیح دیتی ہے یہ نہیں سوچتی کہ اس کی ذات سے اس کا باپ بھی جڑا ہوا ہے جو اس سے بے حد محبت کرتا ہے۔ بیٹے ہم نے اپنی سی کوششیں کرلیں مگر اس کا انداز فکر اور طرز زندگی نہ بدل سکے۔ بہت فکر مند تھے ہم اس کے لیے۔ یہ تو اللہ نے کرم کیا جو تم مل گئے ورنہ پتہ نہیں کب تک ہم اس کی فکروں میں گھلتے رہتے۔" وہ چپ ہوگئے تو وہ بھی کچھ نہیں بولا اور دیر تک چپ ہی رہا تو وہ ہی پوچھنے لگے۔

"بیٹے کچھ کہو گے نہیں؟"

"میں کیا کہوں انکل؟" وہ جو سوچوں میں گم تھا چونک کر مسکرایا پھر کہنے لگا۔ "جو باتیں آپ نے زوفا کے بارے

ایک بات

☆ کسی سے اپنی ناراضی کو اتنا طویل مت کرو کہ وہ تمہارے بغیر ہی جینا سیکھ لے۔ (حضرت علیؓ)

☆ ہر بلا و مصیبت کے پس منظر میں رحمت و نصیحت ہے۔ (حضرت امام حسینؓ)

(نیر فہیم عطاری)

میں مجھے بتائیں ان سے میں بس یہی نتیجہ اخذ کرسکا ہوں کہ وہ صرف اپنے لیے اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہے کسی اور کی اسے پروا نہیں ہے حتیٰ کہ آپ کی بھی حالانکہ یہ غلط انداز فکر ہے۔ انسان ہمیشہ تو اپنی مرضی سے نہیں جی سکتا عمر کے کسی نہ کسی دور میں کبھی نہ کبھی اسے دوسروں کی مرضی سے بھی جینا پڑتا ہے۔ ان رشتوں کو نبھانا پڑتا ہے جو اس سے جڑے ہوتے ہیں۔"

"یہی تو ہم اسے سمجھانے کی کوششوں میں لگے ہیں مگر وہ سمجھنے کو تیار نہیں۔ اب یہ ذمہ داری تم پر ڈال رہے ہیں بیٹے اس یقین کے ساتھ کہ جو ہم سے نہ ہوسکا وہ تم کرسکو گے۔"

"ٹھیک ہے انکل...... آپ کا یقین میں ٹوٹنے نہیں دوں گا۔" وہ بولا تھا۔

"ٹھیک...... تو پھر اب دوسری باتیں کرلیں؟"

"دوسری باتیں؟" وہ ٹھٹکا۔

"تم یہ پڑھو۔" انہوں نے کہتے ہوئے اپنے ساتھ لائے بریف کیس سے ایک فائل نکال کر اسے تھمادی تھی۔ وہ لے کر پڑھنے لگا۔ وہ رضوان احمد کا وصیت نامہ تھا جسے پڑھنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

"انکل یہ آپ کی وصیت تو زوفا کے بالکل خلاف ہے۔ اس کی ایک بھی شرط آپ کی بیٹی کے حق میں نہیں ہے۔ یہ تو صرف اور صرف میرے حق میں ہے۔ سوری

"انکل! مجھے منظور نہیں میں اس کے بغیر بھی آپ کی بیٹی سے شادی کرسکتا تھا۔" قدرے ناراضی تھی اس کے لہجے میں۔
"بیٹے پہلے میری بات سنو پھر کوئی فیصلہ کرنا۔" وہ مسکرا کر کہنے لگے۔ "اختر شاہ ایک سال سے تم ہمارے ساتھ کام کر رہے ہو اس عرصہ میں ہم تمہیں خوب جان گئے ہیں، ہمیں پتا ہے ہم اپنی مرضی سے تمہیں کچھ دینا چاہیں بھی تو تم نہیں لو گے، تمہاری خودداری ہمیں بھی عزیز ہے بیٹے۔"
"تو پھر میں اس وصیت کا کیا مطلب سمجھوں؟"
"یہ فرضی وصیت ہے بیٹے.... صرف اور صرف زوہا کو دکھانے کے لیے۔" وہ کہنے لگے۔ "اس کے بغیر وہ بھی راضی نہیں ہوگی تم سے شادی کرنے کے لیے۔ یہ ہماری پلاننگ کا دوسرا حصہ ہے پہلا حصہ بھی تمہیں بتا دیتے ہیں۔" انہوں نے کہتے ہوئے مجھے تفصیل سے گر بڑے دونوں نے مجھے اپنی ساری پلاننگ سے آگاہ کر دیا تھا۔
"لیکن ان ڈراموں کی کیا ضرورت ہے انکل؟" وہ ان کی پلاننگ سننے کے بعد مسکراتا ہوا کہنے لگا۔ "آپ کا ایکسیڈنٹ پھر کوما کی حالت اس کے بعد یہ وصیت... میری اور زوہا کی شادی... انکل شادی تو اس پلاننگ کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔"
"بیٹے ہم اسے اپنی طرف سے بالکل مایوس کر دینا چاہتے ہیں۔ جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے وہ تم سے شادی کرنے اور اسے نبھانے پر قطعی آمادہ نہ ہوگی۔ ٹھوکر کھائے بغیر وہ اپنا طرزِ زندگی نہیں بدلے گی بیٹے اور ہم نے اسے ٹھوکر دینے کی یہ ذرا سی سعی کی ہے بس۔"
"لیکن انکل اس سعی میں تو خامیاں بھی بہت ہیں۔" وہ کہنے لگا۔ "وہ آپ کی وصیت کی قانونی حیثیت کو چیلنج کر سکتی ہے اور آپ کے ایکسیڈنٹ اور کوما کو آپ کس طرح سچ بنا کر اس کے سامنے پیش کریں گے چلیں مانا کہ ہم دونوں نے مل کر اس جھوٹ کو سچ بنا کر اس کے سامنے کر دیا بھی تو انکل صرف ہم دونوں ہی تو نہیں بستے ہیں اس کے اطراف، دیگر لوگ بھی تو ہیں وہ کسی اور سے بھی تو سن سکتی ہے نا کہ آپ کا ایکسیڈنٹ اور 'کوما' محض جھوٹ ہے اور وصیت بھی ڈرامہ ہے۔"
"خیر اتنی عقلمند تو وہ ہے ہی نہیں کہ وصیت کی قانونی حیثیت کو چیلنج کرنے کا سوچ بھی سکے اس کی تم فکر مت کرو۔ رہا ایکسیڈنٹ کا سوال تو وقت کے ساتھ ساتھ ہم تمہیں بتاتے جائیں گے کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"
"اور اس کی آنٹی کو آپ کیوں بھول رہے ہیں انکل انہوں نے کوئی گڑبڑ کر دی تب؟"
"اس کی آنٹی کو ہم سنبھال لیں گے بیٹے۔ تم خدشات اپنے دل و دماغ سے نکال دو بیٹے کہ ہم نے سوچ سمجھ کر ہی یہ پلاننگ کی ہے۔ تم تو بس اب شادی کی تیاری کرو اور ہم اپنے پلان پر عمل کرنے کی تیاری کریں گے۔ بس اسی ہفتے میں تم دونوں کی شادی ہو جائے گی۔"
"اور اگر انکل میں آپ کی بیٹی کو سنبھال نہیں پایا تو؟" وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگا۔
"یار تم سے تو ہم نے ساری امیدیں لگا رکھی ہیں ایسی بات مت کرو۔" انہوں نے تھوڑا تو وہ کچھ کہنے کے بجائے ہنس دیا تھا۔

☆....☆....☆

"زوہا بیٹے! کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" رضوان احمد کہتے ہوئے اس کے پاس آ بیٹھے تھے وہ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔
"جی پاپا۔" وہ ان کی جانب متوجہ ہوئے بغیر بولی تھی۔
"ایسے نہیں بیٹے... ٹی وی آف کرو پھر بات کرنا۔" وہ بولے۔
"آپ کہیے تو... میں سن رہی ہوں۔" اس نے وہی بند کیں تھا۔
"تم ٹی وی آف کرو بھئی۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹی وی آف کر دیا۔
"کیا ہے پاپا.... آپ تو بس ہمیشہ اپنی منواتے ہیں۔" وہ منہ بنا کر سیدھی ہو بیٹھی۔
"اپنی تو ہم نے کبھی منوائی ہی نہیں بیٹے اگر منواتے تو آج تم ویسی ہوتیں جیسی ہم تمہیں دیکھنا چاہتے تھے۔" مسکرا رہے تھے۔
"او پاپا فار گاڈ سیک کیا برائی ہے مجھ میں۔ اپنی زندگی اپنی مرضی سے نہیں جی سکتی میں؟" وہ جھلائی۔

"ابھی سے تو کہہ رہی ہو بیٹے۔"

"کوئی نہیں...... ابھی تو پابندیاں لگا رکھی ہیں۔"

"تمہارے بھلے کے لیے ہی تو ہیں بیٹے۔"

"کوئی بھلا والا نہیں ہو رہا میرا الٹا آپ زچ ہی کر رہے ہیں مجھے۔"

"اور جو تم ہمیں زچ کیے ہوئے ہو اس کا کیا بیٹے؟" وہ جواباً مسکرائے تھے۔

"میں نے کیا کیا پاپا..... کبھی پابندی لگائی آپ پر کہ یہ مت کرو، وہ مت کرو، یہاں مت جاؤ، وہاں مت جاؤ یہ دوست ہے، وہ دوست کیسے ہو..... کبھی کہا میں نے یہ سب"

"نہیں بھی بیٹے۔" "انہیں ہنسی آ گئی۔" "تم نے یہ سب کبھی نہیں کہا ہم ہی کہتے رہتے ہیں اس لیے کہ ہم تمہارے..... تمہیں کسی بات پر روکتے ٹوکتے ہیں تو بیٹے بہت عزیز ہو ہم کو..... بس تم ہی تو....."

"انہوں نے محبت سے اس کا....."

"پھر جب..... ابھی پابندیاں لگا رکھی ہیں تو....."

"ہم تم سے دو..... بات کرنا چاہ رہے تھے۔"

[illegible]

"شام کو ہم نے منصور کو چائے پر بلوایا [illegible] اور طیش سے اس کا چہرہ [illegible]"

"وہ دو ٹکے کا آدمی بہت زیادہ پسند ہے آپ کو، مجھ..... ان کے سب تو..... وہ مردی تھی۔"

"تمہارے..... زیادہ تو نہیں ہے۔"

"..... ہی جاب دے رکھی ہے۔ ہر دوسرے دن..... کی چائے پر جاتے رہتے ہیں۔ پاپا آپ بالکل..... جب میں نے کہا تھا اسے جاب سے..... کیوں نہیں نکالا؟"

"ہم کس وجہ سے نکالتے اسے.....؟"

"..... وجہ ہی تو نہیں تھی..... ارے واہ" وہ اور بھی..... اس نے میری انسلٹ کی تھی یہ کوئی وجہ ہی نہ....."

"غلطی تمہاری بھی تھی بیٹے۔ اب سو گئی تم؟"

"کبھی نہیں...... غلطی میری نہیں تھی وہ اس کی تھی آپ کو..... کیوں جہاں میں تھی کے جا رہی تھی۔"

"اوہو بھئی بیٹے چھوڑو یہ باتیں۔" وہ کہنے لگے۔ "ہم تمہیں بتا رہے تھے کہ آج شام ہم نے منصور کو بلوایا ہے کیا ہے اور تمہیں بھی ہمارے ساتھ رہنا ہوگا سمجھ گئیں۔"

"جی نہیں۔ اس دو ٹکے کے آدمی کے ساتھ بیٹھ کر میں چائے نہیں پی سکتی یہ تو دور کی بات ہے۔"

"بہت ہو گیا زوفا۔" یکلخت ہی ان کا لہجہ سخت ہوا تھا۔ "تمہیں شام ہم کو موجود رہنا ہے۔ کیونکہ ہم نے تمہاری شادی منصور سے طے کر دی ہے۔ اسی سلسلے میں وہ کچھ باتیں کرنا چاہ رہے تھے۔"

"واٹ؟" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ "مجھ سے پوچھے بغیر آپ نے اس دو ٹکے کے آدمی سے میری شادی طے کر دی۔ اچھی طرح سن لیں پاپا۔ میں مر جاؤں گی مگر اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

"شادی تمہیں منصور سے کرنی ہے چاہے مرو چاہے جیو۔ یہ میرا فیصلہ ہے سمجھیں تم۔"

"مجھے نہیں منظور آپ کا فیصلہ۔"

"میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرا فیصلہ منظور یا نامنظور کرو۔ میں نے فیصلہ سنایا ہے تمہیں کرنا وہی ہوگا جو میں نے کہہ دیا ہے۔" وہ..... تھے اور وہ مٹھیاں بھینچ کر..... ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ..... ابھی انہوں نے اسے گیٹ کی طرف جاتے دیکھ..... روکنے کی کوشش نہیں کی..... کہ وہ ڈرائیور کے بغیر کہیں نہیں لے جائے گی۔

"کہاں گئی تھیں تم؟" جب وہ رات کے دس بجے گھر میں داخل ہوئی تو وہ اس کے..... آ کر پوچھنے لگے اور وہ کوئی جواب دیے بغیر اپنے کمرے کی جانب..... جانے لگی۔

"زوفا..... ہم کچھ پوچھ رہے ہیں ہم....." اس کی خاموشی پر وہ قدرے برہم ہوئے۔

"مجھے آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دینا۔" وہ بہت دھیرے سے بولی۔

"ٹھیک ہے بہت روکو مگر ہماری بات سن لو۔ ہم نے

"تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کر دی ہے۔ اس مہینے کی چودہ تاریخ کو سمجھیں۔ اور آج کے بعد تمہارا گھر سے نکلنا بھی بالکل بند۔"

"پاپا میں کچھ کر ڈالوں گی۔" وہ چلانے لگی۔

"تم جو چاہو کر ڈالو۔ ہم نے جو کہنا تھا سو کہہ دیا۔"

"پاپا آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔"

"ہم نے کوئی بھی زبردستی نہیں کی ہے بیٹے۔ جو فیصلہ کیا ہے تمہارے بھلے کے لیے کیا ہے۔"

"پھر بھی میں اس دو ٹکے کے آدمی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"تمہیں کرنی ہی پڑے گی۔"

"میں مر جاؤں گی پاپا۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ غصے سے کہتے ہوئے چلے گئے۔

☆......☆......☆

وہ ان سے خفا تھی اس لیے رات کو کھانا کھائے بغیر ہی اپنے کمرے میں گئی تو پھر اگلی صبح ناشتے کے لیے بھی باہر نہ نکلی۔ ملازم بلانے آیا تو اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اسے توقع تھی کہ پاپا بلانے آئیں گے کیونکہ جب بھی کسی بات کو لے کر وہ کھانے سے منہ موڑتی تھی تو پاپا ایک دن بھی نہیں تو دوسرے تمام آ کر اسے ضرور منا لیتے تھے۔ لیکن آج وہ نہیں آئے تھے رات کو انہوں نے پوچھا ہی نہیں۔ صبح ملازم کو اس نے بھگا دیا تب بھی وہ نہیں آئے اور جب دوپہر کو بھی ملازم ہی کھانے کے لیے بلانے آیا تو وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"تم ہی کیوں مرے آتے ہو بلانے پاپا نہیں آ سکتے۔"

"صاحب تو جی کل رات سے جو باہر گئے تو ابھی تک نہیں لوٹے۔" ملازم نے بتایا۔

"کہاں گئے ہیں؟" وہ قدرے چونکی۔

"مجھے نہیں پتا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا جی۔"

"ہوں..... کہاں گئے ہوں گے پاپا؟" وہ سوچنے لگی۔

"آپ چل کر کھانا کھا لیں۔ صبح بھی نہیں کھایا تھا کچھ۔" ملازم بولا۔

"ہاں چلو تم آ رہی ہوں میں۔" وہ بولی تھی کیونکہ بھوک اب برداشت سے باہر ہو چلی تھی کھانے کے بعد وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی اور شام تک وہ اسی شغل میں ابھی رہی تھی۔ اس وقت تک پاپا لوٹے نہیں تھے اور جب رات تک وہ نہ لوٹے تو وہ قدرے فکرمند سی ہو گئی۔

"کہاں چلے گئے پاپا..... بتا کے تو بھی نہیں جاتے تھے۔"

"کھانا لگا دوں بے بی۔" ملازم آ کر پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" وہ بولی اور اسی لمحے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ملازم کو فون اٹھانے کا اشارہ کر دیا۔

"آپ کا فون ہے۔" دوسری جانب کی بات سننے کے بعد ملازم نے کارڈلیس اسے تھما دیا۔

"ہیلو..... کون؟" وہ مخاطب ہوئی۔

"ہیلو زوفا بیٹے..... میں ڈاکٹر عابد بول رہا ہوں تمہارے پاپا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ میرے ہاسپٹل میں ہیں تم فوراً پہنچو۔" دوسری طرف سے جلدی جلدی کہہ کر بند کر دیا گیا تھا۔ وہ کچھ پوچھ بھی نہیں سکی تھی۔

"او خدا" وہ فون پھینک کر باہر کی جانب بھاگی تھی۔

"جلدی چلو۔" کار میں بیٹھتی ہوئی وہ ڈرائیور سے بولی تھی۔

"کہاں؟" کار اسٹارٹ کرنے کے ساتھ ہی ڈرائیور نے پوچھا۔

"عابد ہاسپٹل معلوم ہے یا.....؟"

"جی معلوم ہے۔"

"تو جلدی چلو فل اسپیڈ میں پاپا کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ پتہ نہیں کس حال میں ہیں۔" آخری جملہ بڑبڑانے کے سے انداز میں کہہ کر سیٹ سے پشت ٹکا کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ "انکل کیا ہوا پاپا کو کہاں ہیں؟" ہاسپٹل پہنچتے ہی وہ سیدھی ڈاکٹر عابد کے روم میں گھستی چلی آئی تھی۔

"کل رات کافی سیریس حالت میں کچھ لوگ انہیں یہاں لائے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر تمہیں اطلاع نہیں دی کہ ان کی حالت کنٹرول میں آتے ہی تمہیں بتاؤں گا۔

چلے جاتے ہو تو تم پریشان ہونے کے سوا کچھ کر بھی تو نہیں سکتی تھیں بیٹے۔" ڈاکٹر عابد کہہ رہے تھے۔

"اب پاپا کیسے ہیں۔ مجھے لے چلیں ان کے پاس۔"

"اب بھی میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا بیٹے۔" وہ کہنے لگے۔ "ان کے سر میں شدید چوٹیں آئی ہیں۔ مجھے فوری طور پر آپریشن بھی کرنا پڑا مگر وہ ہوش میں نہیں آسکے، وہ کوما میں ہیں۔"

"کیا!!!" وہ بولے تو وہ بس آنکھیں پھاڑے انہیں تکتی ہی رہ گئی تھی۔

"ہاں بیٹے وہ کوما میں ہیں اور کوما کی مدت دو دن بھی ہو سکتی ہے دو سال بھی لگ سکتے ہیں یا پھر اسی حالت میں ان کی ڈیتھ بھی ہو سکتی ہے۔ میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا بیٹے۔"

"کیا میں مل سکتی ہوں پاپا سے۔" کتنی ہی دیر بعد وہ بولی تھی۔

"ہاں بیٹے آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر دوسرے کمرے میں آئے تھے جہاں پاپا بیڈ پر تھے ان کا سر پٹیوں میں جکڑا تھا۔ آنکھیں کھلی تھیں۔ ان میں کوئی تاثر نہیں تھا بس پلکیں جھپک رہی تھیں۔ بیڈ کے پاس اسے منتصر بھی نظر آیا تھا اور چونکہ وہ پاپا کے لیے پریشان تھی اس لیے اس کی موجودگی کا کوئی نوٹس لیے بغیر پاپا پر جھک کر انہیں آوازیں دینے لگی تھی مگر رضوان احمد کی کھلی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہ بس پلکیں جھپکا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔

"آنکھیں تو کھلی ہیں پاپا کی۔" وہ ڈاکٹر سے کہنے لگی۔

"ہاں بیٹے اور وہ دیکھ بھی سکتے ہیں مگر کسی طرح کا کوئی ری ایکشن نہیں دے سکتے۔ وہ زندہ ضرور ہیں مگر مردوں جیسی حالت میں۔" وہ بولے تھے اور وہ پاپا کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

"بیٹے خود کو سنبھالو..... اسی لیے میں نے کل تمہیں اطلاع نہیں دی تھی۔" ڈاکٹر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"کل رات کو ہوا تھا ایکسیڈنٹ؟" وہ آنسو پونچھتی

غزل

ابن حسن بھٹکلی، کرناٹک

محبت کی ہوس سے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
ہوس جس دل میں ہو اس میں محبت ہو نہیں سکتی

چلے گا راج اب تیرا میرے دل کے جزیرے
کسی کی میرے دل پر اب حکومت ہو نہیں سکتی

دیے تھے زخم جو تم نے وہ اب تک دل میں باقی ہیں
محبت کی امانت میں خیانت ہو نہیں سکتی

یقیناً میرے اپنے بھی صف دشمن میں شامل
ورنہ دشمنوں میں اتنی ہمت ہو نہیں

غریبوں کو جو اپنے مال سے حصہ نہیں
کبھی اس شخص کی روزی میں برکت ہو نہیں

کسک دل کی نگاہوں سے ہویدا ہونے لگی
تمہارے غم کی اب مجھ سے حفاظت ہو نہیں

کسی کی یاد کو ابن حسن دل میں جگہ
اگر بس جائے گی دل میں تو رخصت ہو

ہوئی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"جی۔"

"آپ ... کیسے ہیں؟"

"جب تمہیں ہاسپٹل لایا گیا تو تم بہت رو رہی تھیں۔" ڈاکٹر عابد نے بتایا اور وہ گھوم کر اس سے اچھی طرح جو پاس ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔

"میرے پاپا کی یہ حالت تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔" وہ بگڑ کے بولی۔

"ہاں میں نے ہی ایکسیڈنٹ کیا ہے۔" وہ بھی بگڑا تھا۔

"ہاں... ہاں تم ہی نے کیا ہے۔" وہ چلانے لگی۔ "تمہاری وجہ سے میں نے کل رات پاپا سے تھوڑا سا ... وہ غصے میں گاڑی لے کر نکل گئے اور ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ تم ہی ذمہ دار ہو اس کے، میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" وہ اسے مارنے دوڑی تھی مگر وہ بڑے آرام سے اس کے دونوں ہاتھ گرفت میں لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"جھگڑا تم نے کیا تھا۔ ایکسیڈنٹ کی ذمہ دار تم ہو میں نہیں ... الزام مجھ پر ڈال رہی ہو۔"

"تمہاری وجہ سے ہوا ہے ... میں مار ڈالوں گی تمہیں۔" وہ چیخ کر اپنے ہاتھ چھڑانے کی سعی میں لگی تھی۔

"زوفا بیٹے کنٹرول یور سیلف۔" ڈاکٹر نے کہتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔

"بیٹے یہاں اور بھی مریض ہیں۔ وہ ڈسٹرب ہوں گے چلو تم میرے ساتھ۔" وہ کہتے ہوئے اسے ساتھ لے کر چل دیے تھے۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گی۔" وہ اسے دھمکی دیتی گئی تھی اور جو بھی کر سکے گی منصر نے جھٹ سے دروازہ اندر سے لاک کر لیا اور بیڈ کی جانب آتے ہوئے کہنے لگا۔

"انکل آپ زیادتی کر رہے ہیں۔"

"یہ کوئی زیادتی نہیں ہے بیٹے۔" رضوان احمد ہنستے ہوئے اٹھ بیٹھے تھے۔

"ہے انکل ... آپ نے حالت دیکھی اس کی کتنا رو رہی تھی۔"

"یہ رونا زیادہ اچھا ہے بیٹے بعد کے رونے سے کہ اس رونے میں پچھتاوا نہیں ہے۔" وہ بولے تو وہ خاموش ہو گیا۔ "اوکے تم جاؤ، مجھے کیا کرنا ہے یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اسے گھر پہنچاؤ کہ تم بھی یہاں سے نکلو۔" اسے خاموش کر کے روم سے نکلے تو وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکراتا ہوا ڈاکٹر کے روم میں آ گیا تھا اور وہ جوان سے کسی بات پر الجھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر اسی پر بگڑنے لگی۔

"تم کیوں آئے ہو یہاں؟"

"تمہیں دیکھنے۔" وہ مسکرایا تھا جبکہ ڈاکٹر مسکراہٹ چھپا گئے تھے۔

"تمہیں تو میں..." وہ کرسی دھکیل کر اٹھی مگر اس کی جانب بڑھنے کی کوشش میں ڈاکٹر عابد درمیان میں آ گئے تھے۔

"بیٹے یہ میرا ہاسپٹل ہے۔ پلیز۔" وہ بولے۔ "اب جاؤ صبح آ کر دیکھ لینا اپنے پاپا کو۔"

"میں نہیں جاؤں گی یہیں رہوں گی پاپا کے پاس۔"

"سوری بیٹے... ہم ہاسپٹل میں مریض کے ساتھ کسی اور کو رکنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

"انکل ... میں کسی نہیں ہوں۔" وہ چیخ گئی۔

"ہم جانتے ہیں بیٹے۔ بہر حال رولز از رولز ... تم جاؤ صبح وزیٹنگ آورز میں آنا۔"

انہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا سر تھپکا تھا۔

"یوں بھی تمہارا گھر جانا ضروری ہے۔ رضوان تو پاگل ہی ہے جس نے اور کسی کے پاس تمہارا نہیں چھوڑا ... ضروری ہے تم جاؤ بیٹے۔ یوں پریشان ہو رہی ہو۔"

"انکل میرے پاپا کب ٹھیک ہوں گے؟" وہ ایک بار پھر رو دی۔

"جلد ہی بیٹے کوشش تو کر رہے ہیں ناہم۔"

"انکل کوئی ... پلیز مجھے میرے پاپا چاہئیں۔"

"ملیں گے بیٹے ان شاء اللہ، اس وقت جاؤ۔ منصر لے جاؤ بیٹے۔" اس کے آنسو صاف کر کے انہوں نے منصر سے کہا تھا۔

"میں چلی جاؤں گی۔" وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

"یار تم کیسے سنبھالو گے اسے۔" ڈاکٹر نے مسکراتے

http://funmadsurdunovels.blogspot.com/

ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے انکل آپ فکر نہ کریں۔" وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"ہوں..... جاؤ اس ڈرامے باز کو کہہ دو بھی گئی اس کی بیٹی۔" وہ ولید فوراً ہی ان کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ پاپا کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت رہنا چاہتی تھی لیکن ڈاکٹر عابد نے اسے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔

"تم صرف صبح اور شام کو Visiting hours میں ہی اپنے پاپا کے پاس آسکتی ہو۔" انہوں نے نرمی سے سمجھا دیا تھا۔ اس نے لاکھ منتیں کیں مگر وہ ان کو منا نہ سکی اسے بھی ان کی بات ماننی پڑی تھی۔ جب بھی وہ پاپا کے پاس جاتی وہ آدھے گھنٹے سے زیادہ پاپا کے پاس ٹھہرنے نہیں دیتے تھے۔

"آپ کو ابھی چلے جانا چاہیے تھا انکل ایک بار وہ مل کر ہوش میں آجائیں اس سے کہا تو کہ اب وہ گھر جائے۔"

"بیٹے جب جاگ ہوکر تمہارے پاپا اسی کنڈیشن میں رہیں گے تو تمہارے آنے کا فائدہ کیا۔ تم بھی تھک جاتی ہو ان کے لیے۔ بس ابھی تم رہتی ہو اور وہ بھی رہتے ہیں اس سے اچھا تو یہ ہے کہ تم گھر بیٹھ کر اپنے پاپا کی صحت کے لیے دعا کیا کرو۔" ڈاکٹر عابد نے سمجھایا تھا اور بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی اس لیے ان سے بحث کرنی چھوڑ دی تھی۔ بس اسی طرح پورے دو ہفتے گزر گئے تھے اور اس دن بھی وہ اسپتال جانے ہی والی تھی کہ تیمی کے گی۔ ایم ایم صاحب اس سے ملنے آگئے تو وہ اسپتال جانا ملتوی کرکے ان کی باتیں سننے لگی جو کہہ رہے تھے۔

"بیٹے جب سے آپ کے پاپا اسپتال میں ہیں بزنس کے کئی معاملات التوا میں پڑے ہوئے ہیں بہت سے امور نمٹانے کے لیے سائن ضروری ہیں جو کہ انکل وہ کر نہیں سکتے اور اسی طرح دن گزرتے رہے تو بزنس میں ہمیں بہت خسارے ہوں گے اور ہم اپنی ساکھ کھو بیٹھیں گے۔"

"تو آپ ہی کچھ کریں نا انکل میں تو کچھ بھی نہیں

باتیں عظیم لوگوں کی

اللہ ہر طائر کو رزق دیتا ہے مگر اس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا۔ (افلاطون)

اگر تم غلطیوں کو روکنے کے لیے دروازے بند کردو گے تو سچ بھی باہر رہ جائے گا۔ (ٹیگور)

اپنے خیالات کو اچھی شکل دینے کا نام ہے۔ (ظریف جبل پوری)

جو آدمی نہ تو کامیابی پر آپ سے باہر ہو اور نہ ناکامی پر ناامید ہو خود کو ٹھیک کرنے اور اپنی غلطیوں کا الزام دوسروں پر نہ تھوپے تو ایسا ہی شخص مکمل انسان ہے۔ (ارسطو)

بہت سے کام کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی کام کیا جائے۔ (سمائلز)

صرف وہی شخص کاہل نہیں جو کچھ نہ کرے بلکہ وہ بھی کاہل ہے جو بہتر کام کرسکتا ہے لیکن نہ کرے۔ (سقراط)

سب سے اچھی تعریف وہ ہے کہ آپ کسی شخص کو اچھا کہیں اور سننے والا اس شخص کا لحاظ کرنے لگے۔ (ورڈز ورتھ)

اگر تمہیں ہوتو ذرائع مل جاتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو آدمی خود ہی راستہ بنا لیتا ہے۔ (چیمبرلین)

بادشاہ ہو یا کوئی معمولی شخص جسے گھر میں سکون حاصل ہے وہ خوش قسمت ترین شخص ہے۔ (گوئٹے)

وہ غم اچھا ہے جس کے بعد خوشی میسر ہو وہ خوشی کس کام کی جس کے بعد غم میسر ہو۔ (سعدی شیرازی)

غم کا بہترین علاج مصروفیت ہے۔ (لاسن)

جسے کوئی ایذا نہ پہنچے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

famousurdunovels.blogspot.com

جانتی ہوں بزنس کے بارے میں ان فیکٹ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ پاپا کا بزنس ہے کیا؟" یہ سب کہتے ہوئے اسے پہلی بار اپنی بے پروائی کا احساس ہوا تھا جب ہی تو لہجہ بے حد دھیما تھا۔

"جی بیٹے کوشش تو میں کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنے آیا ہوں۔" بابر صاحب کہنے لگے۔ "میں نے سر کے قانونی مشیر سے بات کی تھی کہ اگر یہی صورت حال رہی تو ہم کیا کر سکتے ہیں تب وکیل نے بتایا کہ ایکسیڈنٹ سے کافی پہلے انہوں نے اپنی وصیت مرتب کرائی تھی۔ اس میں ساری تفصیل موجود ہے کہ سر کی عدم موجودگی کی صورت میں بزنس کو کس طرح جاری رکھا جا سکتا ہے۔ بیٹے آپ کہو تو میں شام کو وکیل کو لے آؤں تاکہ وصیت کھولی جا سکے۔"

"آپ جو مناسب سمجھیں وہ کریں انکل۔" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"او کے بیٹے...... میں پھر شام کو آؤں گا۔" بابر صاحب کہہ کر چلے گئے تھے اور جب شام کو آئے تو ان کے ساتھ پاپا کے وکیل کے علاوہ ڈاکٹر عابد اور ان کے ایک اور دوست اعجاز علی بھی تھے اور ان سب کے ساتھ منتظر کو بھی دیکھ کر وہ تو چونک ہی گئی تھی۔

"تم کیوں آئے؟" وہ دانت بھینچ کر اس کے سامنے آ رکی تھی۔

"خود سے نہیں آیا بلکہ بلایا گیا ہوں۔" اس نے مسکرا کر اسے مزید تاؤ دلایا تھا۔

"ہنہ...... اوقات ہی کیا ہے تمہاری جو تمہیں بلایا جائے۔"

"مس زوفا...... مسٹر منتظر کو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔" وکیل صاحب کہنے لگے۔ "مسٹر رضوان نے مجھ سے کہا تھا کہ ان ہی افراد کی موجودگی میں ان کی وصیت ظاہر کی جائے اس لیے میں ان سب کو اپنے ساتھ لایا ہوں آپ پلیز ریلیکس کریں۔" وکیل نے بات ختم کی تو وہ منتظر کو گھورتی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔

"کافی پہلے مسٹر رضوان نے اپنی وصیت مرتب کرائی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ ضرورت پڑنے پر اسے ظاہر کیا جائے۔ آپ سب خود پڑھ لیں ان کی وصیت۔" وکیل نے کہتے ہوئے ایک فائل سب کو تھما دی تھی اور خود اطمینان سے بیٹھ گئے تھے اور وہ جوں جوں وصیت نامہ پڑھتی گئی اس کا غرور بھی ٹوٹتا گیا تھا۔

"میں رضوان احمد بقائمی ہوش و حواس اپنا تمام کاروبار اور دیگر جائیدادیں اپنے دوست احتشام احمد کے بھتیجے منتظر حماد کے نام کرتا ہوں میرے بعد میرا کاروبار منتظر حماد کے ذمے ہے وہ جس طرح چاہے اسے چلائے۔ میری بیٹی زوفا کو میری جائیداد سے نصف حصہ اس وقت ملے گا جب وہ منتظر حماد سے شادی کرے گی اور ازدواجی زندگی کے پورے پانچ برس اس کے ساتھ گزارے گی اس کے بعد ہی منتظر کو یہ اختیار ہوگا کہ جائیداد کا نصف حصہ وہ میری بیٹی کے نام کر دے۔ بصورت دیگر میری جائیداد سے زوفا کو کچھ نہیں ملے گا تمام تر جائیداد کا مالک بلا شرکت غیرے منتظر حماد ہی ہوگا۔ اس کی مرضی کی شادی کے علاوہ زوفا کو کچھ دے یا نہ دے۔" وصیت نامہ تھا اچھا خاصا توہین نامہ تھا۔ اسے تو یہی محسوس ہوا تھا۔ "ایک وہ گھٹیا آدمی کے سامنے اسے بالکل ہی نیچا کر کے رکھ دیا تھا۔" وہ جتنا طیش میں آتی کم تھا۔

"تمہیں تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وکیل چیخ کر وہ منتظر کی طرف دوڑی جو بڑے اطمینان سے بیٹھا ٹانگیں ہلاتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"زندہ تو میں اب نہیں چھوڑوں گی تمہارے پاپا نے تمہیں میرے گلے میں ڈال کر مجھے تو جیتے جی سزائے موت دے دی ہے۔" وہ اس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے ذرا سا ہنسا تھا۔ "اس بھول میں مت رہنا تم وہ گھٹیا آدمی مر جاؤں گی میں مگر تم سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹی ہوئی راہ میں آئے فرنیچر کو ٹھوکریں مارتی ہوئی وہ چلی گئی تھی۔

"بھئی ہمارا کام تو ختم...... اب تم سنبھالو۔" ڈاکٹر عابد سمیت بقیہ سب بھی اٹھ گئے تھے۔

اور جب سب چلے گئے تو وہ ملازم سے اس کے کمرے کا پوچھ کر اس تک چلا آیا تو دیکھا کمرے میں اس

نے توڑ پھوڑ مچا رکھی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟" اس تک پہنچتے ہوئے اس نے ایک دم ہی اس کا بازو تھاما تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی۔" وہ بازو جھٹک کر چلائی۔

"بہت ایسے دوئی کر لیں یہ کمرہ ہی نہیں اس کی ہر چیز میری ہے سمجھیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ "ہاں تمہارے باپ نے دی ہے ہاں۔"

"ہوں... ہوں... دی تو تمہارے باپ نے ہے۔" وہ ہنس دیا پھر کہنے لگا۔ "حالانکہ اب یہ گھر میرے نام منتقل ہو چکا ہے مگر تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو بلکہ ایسا کرتا ہوں میں یہ مکان تمہارے نام کر دیتا ہوں۔" وہ فراخدلی سے مسکراتا ہوا اسے مزید جلا رہا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے کچھ دینے والے، آخر تمہاری حیثیت کیا ہے ہاں۔"

"حیثیت تو میری بھی کچھ نہیں ہے میں تو پھر بھی کھاتے کماتے ہوں بلکہ اب تو [illegible] کا ہوں خیر جب غصہ اتر جائے گا تب بات کروں گا تم سے ابھی تو چلتا ہوں۔ بے فکری سے رہنا مکان میرے نام ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا نہیں رہا۔" وہ کہتا ہوا اسے جی بھر کے جلا کر چلا گیا تھا۔

"آئی ہیٹ یو... آئی ہیٹ یو پاپا۔" وہ چیخ چیخ کر رو دی تھی۔

☆...☆...☆

غصہ اترا تو اس کو یاد آئی تو اس نے امریکہ آنٹی کو فون کر دیا۔ اس سے قبل وہ پاپا کے ایکسیڈنٹ اور کوما کی اطلاع انہیں دے چکی تھی۔ اور آنٹی نے جس انداز میں فون پر اسے ڈھیروں تسلیاں دی تھیں تو اسے کافی حوصلہ ملا تھا۔ اور اب جبکہ یہ دوسری افتاد پڑی تب بھی اس نے آنٹی کو فون کر دیا۔

"روفا بیٹے یہ کوئی وقت ہے فون کرنے کا؟" وہ غالباً نیند سے جاگی تھیں اسی لیے تو اس کی کال ریسیو کرتے ہی قدرے برہم ہوئی تھیں۔

"آنٹی آپ کو وقت کی پڑی ہے اور یہاں مجھ پر اتنی مصیبتیں ٹوٹ گئیں۔" وہ روہانسی ہو کر چلائی۔

"اب کیا ہوا ہے بیٹے؟" آنٹی نرم پڑ کر پوچھنے لگیں۔

"آپ بس فوراً یہاں آ جائیں۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں بیٹے فوراً نہیں آ سکتی۔ جلدی جلدی کرتے بھی دو تین ماہ لگ جائیں گے۔ ویسے اتنی جلدی تو کوئی نہیں آتا ناں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی آپ بس آ جائیں۔"

"بیٹے بات کیا ہے، بتاؤ مجھے..." وہ رو دیں۔

"کیا بتاؤں میں میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا یقین ہی نہیں آ رہا کہ پاپا میرے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔" وہ رو دی تھی۔

"وہ بے چارہ تو خود کوما میں پڑا ہے۔ اس نے کیا کیا؟" آنٹی حیران ہوئیں۔

"کوما سے پہلے ہی سب کچھ کر گئے ہیں پاپا۔" اس نے کہتے ہوئے پاپا کی وصیت من و عن پڑھ کر سنا دی تھی انہیں پھر پوچھنے لگی۔ "اب بتائیں میں کیا کروں؟"

"تم کورٹ میں چیلنج کر دو اس وصیت کو۔" وہ بولیں۔

"میں اکیلی کچھ نہیں کر سکوں گی آنٹی آپ آ جائیں ناں۔"

"تو بیٹے آ جاؤں گی مگر دو چار دنوں میں تو نہیں ناں اور جب تک میں آ سکوں گی تب تک تم اتنا تو کرو کوئی اچھا وکیل ہائر کر لو اور کیس کر دو پاپا کی وصیت کے خلاف۔"

"میں نہیں کر سکتی آنٹی مجھے کچھ نہیں پتا ہے وکیل کے بارے میں آپ آ جائیں بس۔" اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے تم کیا نام تھا ہاں معتصم حماد سے شادی کر لو جب تک میں..."

"میں مر جاؤں گی آنٹی مگر اس سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ ان کی بات کاٹ کر تڑپ کے چلائی۔

"ٹھیک ہے پھر مر جاؤ۔" آنٹی بھی گرم ہو گئیں۔

"پہلے میری پوری بات تو سنو پھر کہنا کچھ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو تو ٹھو کو کیس سارے کام بگاڑ دیتا ہے۔"

"کیسے کیا کہہ رہی تھیں۔" وہ طویل سانس لے کر پوچھنے لگی۔

"تم معتصم سے شادی کر لو یہ ضروری ہے بیٹے۔"

کورٹ جانے کو تم چوہدری نہیں ہو ورنہ اگر عمر سے شادی کی
نہیں کرو گی تو ہو سکتا ہے وہ کسی اور سے شادی کر لے اور تم
اونچی جائیداد سے بھی محروم ہو جاؤ۔" آنٹی سمجھا رہی
تھیں۔ "تم اس سے شادی کرو گی تو فائدہ ہوگا کہ وہ
کسی اور سے شادی نہیں کرے گا۔ جب تک میں نہیں
آتی تم اسے الجھائے رکھو۔ میں آ کر دیکھوں گی کہ وہ کیسے
تمہارے حق پر قبضہ جمائے رہتا ہے۔"

"آنٹی میں اس دو ٹکے کے آدمی سے شادی نہیں کروں
گی۔"

"پاگل مت ہو زوفا۔" آنٹی نے ڈانٹ دیا۔ "جیسا
کہہ رہی ہوں ویسا کرو ورنہ وہ کالا ہے تمہارے باپ کی
ساری جائیداد ہڑپ جائے گا اور تمہیں ایک دھیلا بھی
نہیں دے گا۔ شادی کرو... بے شک مت رہنا اس
کے ساتھ پانچ سال تک [illegible] نہیں آئے
گی [illegible] دیکھوں گی اسے [illegible]
آنے تک [illegible] دیکھوں گی اسے بھی اور رضوان
اسٹوپڈ وصیت کو [illegible]"

"جب آئیں گی آپ؟"

"فی الحال بیٹے دو تین [illegible] لگ جائیں گے۔"

"تو تب تک میں اس دو ٹکے کے آدمی کو برداشت کروں؟"
وہ چڑ گئی۔

"کون کہتا ہے اسے جھیلو... جب تک اس کے
ساتھ رہو عاجز کر دو اسے، جینا حرام کر دو اس کا۔ وہ ہوتا
کون ہے تمہارے حق پر قبضہ جمانے والا۔ شادی کرو اس
سے اور اوقات یاد دلا دو اس کی۔ جتنا تنگ ہو سکتا ہو اسے
وہ بھی تو جانے کہ تمہارے حق پر قبضہ کرنا اتنا آسان نہیں
ہے۔"

"او کے آنٹی میں ایسا ہی کروں گی۔" وہ خوش ہو گئی تھی
کہ آنٹی نے اس سے بدلہ لینے کا طریقہ جو بتا دیا تھا۔

"ٹھیک تو میں تمہیں فون کرتی رہوں گی تم بھی مجھ
سے کانٹیکٹ رکھنا۔ بس جو کہا ہے وہ کرو میں آ کر سب
سنبھال لوں گی۔" انہوں نے مزید تسلی دلاتے ہوئے فون
بند کر دیا تھا۔

☆....☆....☆

"سنا تم نے۔" زوفا اور آنٹی کی کال [illegible]
ٹیپ اسے سنانے کے بعد رضوان احمد نے مسکرا کر پوچھا
تھا۔

"ہوں۔" وہ طویل سانس لے کر کہنے لگا۔ "آپ
ٹیپ چلاتے ہیں؟"

"جس دن گھر چھوڑا تھا اسی دن سے ساری فون کالز
ٹیپ ہونے لگی تھیں۔ یہ انتظام ہم نے پہلے ہی کر دیا تھا۔"
انہوں نے بتایا پھر سنجیدگی سے کہنے لگے۔ "تم نے سنیں
ہماری باجی کی باتیں۔ وہ غلط انداز فکر تو رکھتی ہیں
غلطی ہماری بیٹی کو باجی کو سونپنے میں ہم سے ہی ہوئی۔ اگر
ہمیں جان لیتے تو اپنی بیٹی کو ان کے پاس بھیجتے ہی
نہیں اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے۔ اگر ہم زوفا کو اپنے پاس
رکھتے تو آج [illegible] اس کا ہاتھ تمہیں سونپتے ہوئے
ذرا شرمندگی ہی شرمندگی ہے۔"

"اس طرح کیوں کہہ رہے ہیں انکل۔" اس نے
تو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اور کیا کہیں بیٹے کہ غلطی تو ساری ہماری ہی ہے اور
[illegible] ساتھ ہم نے تمہیں بھی پریشان کر رکھا ہے۔"

"[illegible] کیسے انکل... وہ اتنی بری بھی نہیں ہے
اور [illegible] کی وجہ سے میں پریشان ہوں۔ انکل
مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ میں آپ کے کسی کام آیا
[illegible] آپ نے مجھے پریشان کیا ہوا [illegible] انکل اس کے
[illegible] اتنی پیاری بیٹی بھی [illegible] سب سے پیارا لگے۔"
[illegible] اس نے کہہ کر مسکرایا تھا اور رضوان احمد نے
اسے خود سے لگایا تھا۔

"جیتے رہو بیٹے... خوش رہو آباد رہو۔" انہوں نے
محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔ "میں نے تمہیں
پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی بیٹے جیسا سوچ کر تمہاری
طرف بڑھا تھا تم ویسے ہی ہو بلکہ میری سوچوں سے بھی
زیادہ اچھے ہو۔"

"خیر ایسا بھی نہیں ہوں۔" وہ دھیرے سے ہنس دیا۔
"ہوں۔" وہ بھی مسکرائے پھر کہنے لگے۔ "بس اب تم
شادی کے انتظامات میں لگ جاؤ۔ ہو سکتا ہے زوفا آج ہی
آفس میں آ دھمکے یہ کہنے کہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور

"میری ایک بات یاد رکھو۔ شادی کے بعد کسی بھی طور اسے آنٹی سے رابطہ رکھنے مت دینا۔ ٹیلی فون جیسی خطرناک شے اس کی پہنچ سے بالکل ہی دور رکھنا اور یہ بھی خیال رکھنا کہ تمہاری عدم موجودگی میں وہ گھر سے نکل کر کسی طرح بھی اپنی آنٹی سے رابطہ نہ قائم کر سکے اگر ایسا ہوا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ آنٹی کی شہ پا کر وہ لڑکی کسی طور بھی قابو میں نہیں آئے گی۔ سمجھ رہے ہو نا بیٹے؟"

"جی انکل آپ کا مطلب ہے کہ میں اسے گھر میں قید کر کے رکھوں۔ وہ باہر نکلے بھی تو میرے ساتھ ورنہ نہیں۔"

"ہاں یہی چاہتا ہوں میں کہ تم اسے گھر تک محدود کر دو۔"

"انکل یہ تو زیادتی ہوگی نا۔"

"کیسی زیادتی بیٹے عورت کا اصل مقام تو اس کا گھر ہی ہے ناں۔" وہ مسکرا کر کہنے لگے۔ "تھوڑی سختی اختیار کرنی پڑے گی بیٹے۔ اگر نہیں کی تو ہماری ساری محنت بے کار ہوگی۔"

"جی خیر...... ایسا تو کچھ نہیں ہوگا انکل...... ہم مثبت انداز فکر دینے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ انشاء اللہ۔" وہ بولا پھر جیسے کچھ یاد آنے پر پوچھنے لگا۔

"انکل ہم زوفا کو آنٹی سے رابطہ رکھنے نہیں دیں گے مگر جب آنٹی یہاں آئیں گی تب کیا ہوگا۔ آپ نے کچھ سوچا؟"

"باجی کو میں سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہیں کرو۔" وہ کہنے لگے۔ "اوکے اب تم آفس جانے کی تیاری کرو میں بھی عابد کے ہاسپٹل جاتا ہوں۔ ذرا دیر کو میں رہ کر آفس آ جاؤں گا۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ کر چلے گئے تو وہ بھی آفس جانے کی تیاری میں لگ گیا تھا۔

"بیٹے اٹھو جلدی ہمارے کیبن میں جاؤ ہماری آفت بیٹی آ رہی ہے۔ ابھی گیٹ کیپر نے اطلاع دی ہے ہمیں۔" رضوان احمد عجلت سے کہتے ہوئے اس کے کیبن میں داخل ہوئے تھے اور اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"یار جاؤ ناں...... وہاں جا کر ہنس لینا۔" انہوں نے خفگی سے گھورا۔

"انکل جتنے چکر آپ کی بیٹی دے رہی ہے نا آپ کو اسے بھجوا دیجئے تو میں تو بہت جلد اللہ کو پیارا ہو جاؤں گا۔" وہ ہنستا ہوا اپنی میز پر رکھی فائلیں سمیٹنے لگا تو "ابھی عابد انکل کے ہاسپٹل جا رہے ہیں کہ آ رہی ہے بھی اپنے کیبن سے بھاگ رہے ہیں کہ بچی......"

"یار جاؤ ناں کتنا بولتے ہو۔" انہوں نے ہنستے ہوئے اسے دروازے کی جانب دھکیلا تھا۔ "اور سنو...... آج شادی کی ڈیٹ فکس ہو جانی چاہیے سمجھے۔"

"ہوں۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکراتا ہوا چلا گیا تھا اور رضوان احمد کے کیبن میں آ کر ان کی چیئر پر بیٹھتے ہوئے فائل کھولی ہی تھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ وہ جارحانہ انداز میں دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ فائل بند کر کے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا اور وہ جواب دینے کی بجائے اسے گھورتی ہوئی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میرے پاپا کی چیئر پر تم جیسا دو ٹکے کا آدمی بیٹھے گا۔" وہ اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

"خواب ہوتے ہیں کس زوفا رضوان [illegible] کی دنیا میں جینا [illegible] نصیب ہے اپنا اپنا کہ وہ دو ٹکے کا آدمی کروڑوں کا بن بیٹھا اور جو کروڑوں کا تھا وہ دو ٹکے [illegible] رہا۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے مزید تپایا۔

"[illegible] تو میں وہ حشر کروں گی کہ یاد بھی نہ رکھو گے۔"

"یاد رکھنا...... محاورہ ہے غالباً۔" اس نے پھر مسکرا کر تصحیح کی تھی۔

"محاورے کی تو......" اس نے جل کر میز پر پڑا ویٹ اسے کھینچ مارا اور وہ تو متوقع تھا ہی اس کی کسی ایسی حرکت کا اسی لیے تو فوراً ہی پیپر ویٹ کیچ کر لیا تھا۔

"یہ میں ہوں منتصر حماد تمہارا باپ نہیں کہ تمہاری تمیزیاں برداشت کر جاؤں۔" یکلخت ہی اس کا لہجہ سخت تھا۔ "کس لیے آئی ہو یہاں بیان کرو اور جاؤ۔"

"نہیں جاؤں گی میں کیا کر لو گے؟"

"کچھ بھی کر سکتا ہوں میں۔ ایک بار تجربے سے گزر چکی ہو دوسری بار بھی گزرنے جا رہی ہو؟ پہلی بار انجان لوگوں کے درمیان تم نے اپنی اصلیت ظاہر کی تھی دوسری بار ان لوگوں کے درمیان ظاہر کرو گی جو بھی تمہارے باپ کے حمایتی ہونے کے ساتھ ساتھ میرے بھی ہیں۔" اب وہ مسکرا رہا تھا اور وہ لب بھینچ کر اسے گھورنے لگی۔

"کہو..... کیا کام ہے؟" وہ دیر تک اسے گھورتی ہی رہی مگر کچھ نہ بولی تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے گھر چھوڑ کر جا رہی ہو کیا؟" وہ چپ ہی رہی تو اس نے پھر پوچھا۔

"میں تو تمہیں بھی چھوڑوں گی گھر کی کیا بات ہے۔" اب کی وہ بولی بھی دانت پیس کر۔

"زہے نصیب۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا۔ "پھر کب پکڑ رہی ہو مجھے بھی نہ چھوڑنے کے لیے۔"

"اوشٹ اپ" وہ جھنجھلائی۔ "میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ مجھے تم جیسے گھٹیا آدمی سے یہ کہنا پڑے گا کہ مجھے تم سے شادی کرنی ہے۔"

"اور میں نے بھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ مجھے تم جیسی بے قیمت لڑکی سے شادی کا پرپوزل قبول کرنا پڑے گا۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا مگر مسکراہٹ کی طرح کھول نہیں رہا تھا۔

"تو پھر کب کرو گے شادی؟" یہ پوچھتے ہوئے اس نے طیش کو جس مشکل سے قابو کیا تھا بس وہی جانتی تھی۔

"دو دن بعد۔" وہ بولا۔

"آج ہی کیوں نہیں کتنی دیر لگتی ہے شادی کرنے میں۔؟"

"ہاں شادی کرنے میں دیر نہیں لگتی مگر اس کے انتظام میں وقت درکار ہوتا ہے۔"

"کیوں تمہیں کونسا انتظام کرنا ہے؟"

"زوفائی بی شادی کرنے جا رہا ہوں میں چوری نہیں کہ چپکے سے کر لوں۔ چار لوگوں کو انوائیٹ کروں گا تب ہی نکاح نامہ پر دستخط کروں گا۔" وہ مسکرا رہا تھا بڑی ہی شرارت سے۔

"بہت ضروری ہے چار لوگوں کو انوائیٹ کرنا۔" وہ بیٹھ گئی۔

"ہاں بہت ضروری ہے چار لوگوں کو پتا تو چلے کہ ... کا آدمی کروڑوں کا بنے جا رہا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے ... میں تو میں نکال کر رکھ دوں گی..." دانت پیستی ہوئی اٹھ گئی تھی۔

"ہاں دیکھیں گے ہم بھی۔" وہ ہنسا تھا اور وہ ... گھورتی چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" اور جب وہ اپنے کیبن میں واپس آیا ... رضوان احمد بے صبری سے پوچھنے لگے۔

"دو دن بعد کی ڈیٹ فکس کر دی ہے۔" وہ ذرا ... مسکرایا تھا۔

"ہوں۔" انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ ... پھیرا تھا۔

"انکل جی اتنی پلاننگ کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ... بھی آپ کی بیٹی کا انداز بدل سکتا تھا۔" وہ بولا تھا۔

"ضرورت تھی بیٹے ہم پلاننگ نہ کرتے تو وہ ... شادی پر آمادہ ہی نہ ہوتی۔ ہم زبردستی کرتے تو وہ ... سامنے آتے ہی انکار کر دیتی کیونکہ ہی بہت ... اسے اپنی جانب سے ... انکل ... اس لیے کیا ہے ... آگے بھی تمہارے ... رہتے ہوئے ضد اور ... مظاہرہ نہ کرے ... کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے ... سوچے کہ تمہارے بعد اس کا کوئی بھی نہ ہوگا ... ذہن سے یہ بات نکال دو بیٹے کہ ہم زیادتی کر رہے ... اس کے ساتھ اگر کر بھی رہے ہیں تو اس کے بھلے کے لیے ہی ناں۔" انہوں نے بات ختم کر کے ایک بار ... کے شانے تھپکے تھے۔

"انکل یہ کتنی عجیب بات ہوئی ناں کہ ہماری شادی ... میں آپ کے اور میرے دوست اور ان کی فیملیز ... ہوں گی مگر آپ ہی نہیں ہوں گے۔ آپ جو سب سے ... خواہشمند ہیں اس شادی کے۔" وہ دکھے لہجے میں ...

"تو کیا ہوا بیٹے ہم اس وقت تمہاری شادی کی خوشی ... سلیبریٹ کر لیں گے۔ جب تم ہماری بیٹی کو گھر لے ... تک لاؤ گے۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر مسکرا ... تھے۔

غزل

مظفر حنفی

رہنے دو وہ محسوس کریں گے میری غزلیں سن کر لوگ
رکھتے ہیں الزام خزاں پر خود ہی کلیاں چن کر لوگ

اپنی نیندیں کیوں کھوتے ہو تم ان فکروں میں پڑ کر
یوں تو مرتے ہی رہتے ہیں دنیا میں گھن گھن کر لوگ

وہ محفل میں دانستہ، مجھ کو رسوا کرتے ہیں
ان کی بات کو کیا سمجھیں گے ایسی باتیں سن کر لوگ

چپ رہنے کی حد ہوتی ہے، ظالم کو سو
کب تک یوں خاموش رہیں گے اپنا سر دھن کر لوگ

دنیا کو محدود نہ کرلیں، بس اپنی ہی ہستی
دل ہی دل میں دشمن کے گھٹتے ہیں

☆...☆...☆

شادی کی تقریب کا سارا انتظام اس نے رضوان احمد کی کوٹھی میں ہی کیا تھا حتیٰ کہ اس کے برائیڈل میک اپ کے لیے بیوٹیشن کو بھی بلالیا تھا اور وہ عمل کر رہی تھی۔ احتجاج اس لیے نہیں کرسکی تھی کہ پاپا کے دونوں عزیز دوستوں کی فیملیز اس کے کمرے میں ہی براجمان تھیں۔ نکاح شام کو ہوا تھا اور بیوٹیشن صبح سے آکر اس کے سر پر مسلط ہوگئی تھی اور نہ چاہنے کے باوجود اسے مہندی لگوانی پڑی تھی۔ پاپا کے دو دوستوں ڈاکٹر عابد اور اعجاز علی کی فیملی کے علاوہ کمپنی کے جی۔ ایم بابر صاحب کی فیملی بھی مدعو تھی۔ مظفر کے دو دوستوں کی بیویاں بھی اس تک آئی تھیں جن سے اسے رسمی سی بات چیت کرنی ہی پڑی تھی۔ غرضیکہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بہت کچھ کرنا پڑا تھا۔

"اب میں دیکھوں گی کہ تم کیسے جیتے ہو۔" نکاح کے بعد اس نے بمشکل سوچا تھا۔ رات کو کھانے کے بعد سارے مہمان چلے گئے تو وہ بھی ہال سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور ایک ایک کر کے زیور اتارنے لگی تھی جب وہ اس تک آیا۔

"اتار کیوں رہی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟" وہ اسے گھورنے لگی۔

"فضول سوال مت کرو یار۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ "کچھ بھی اتارو نہیں جیسی ہو بیٹھی رہو۔"

"میں اتاروں گی کیا کرلو گے؟" انگوٹھیوں کے بعد وہ اب چوڑیاں اتار رہی تھی۔

"دوبارہ پہنادوں گا۔" وہ جتنے اطمینان سے بولا تھا اتنے ہی اطمینان سے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"تم... تم... تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی۔" وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

"بیوی کو چھونے کے لیے ہمت کی ضرورت نہیں پڑتی شرعی حق درکار ہوتا ہے جو مجھے مل چکا ہے۔" اس نے کھینچتے ہوئے اس کی اتاری ہوئی چوڑیاں دوبارہ اس کی کلائی میں ڈال دی تھیں پھر ایک ایک کر کے ساری انگوٹھیاں بھی پہنادیں اس کی مزاحمت کے باوجود۔ "اپنی منوانا مجھے آتا

بے حد خوش ہے ماہ نور تو تمہارے لیے ہی اچھا ہوگا میرا کیا ہے میں تو ویسے بھی اپنی منوا لیتا ہوں۔" اس کی لٹ کھینچتے ہوئے وہ شوخی سے مسکرایا تھا۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گی۔" اس کے غصہ کی شدت بس اسی ایک جملے پر ختم ہوئی تھی۔

"خیر پھر تمہیں اب یہی تو کرنا ہے۔ خیر چلو اٹھو اب۔" وہ کہتا ہوا اٹھ گیا مگر وہ ویسی ہی بیٹھی رہی۔

"یعنی مجھے ہی اٹھانا پڑے گا؟" اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ فوراً جھٹک کر کھڑی تو ہو گئی مگر غرارے میں پیر الجھ گئے وہ گرنے کو ہوئی لیکن اس نے فوراً تھام لیا۔

"سنبھل کے۔" وہ بولا تھا۔

"مجھے پیچ کرتا ہے۔" وہ سنبھل کر پرے ہٹ گئی تھی۔

"واپس جاکر چینج کر لینا۔ ابھی تو ایسے ہی چلو۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"میں نے بھی کہیں نہیں جا رہا۔ پاپا کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

"پاپا کے پاس کیوں؟" وہ چونکی۔

"وہ ہمارے پاس نہیں آسکتے مگر ہم تو جا سکتے ہیں نا ان کے پاس۔ مانا کہ وہ ہمیں ہماری نئی زندگی کی شروعات کی مبارکباد اور دعائیں نہیں دے سکتے مگر ہمیں دیکھ تو سکتے ہیں نا۔"

"تو تم جاؤ نا۔ مجھے نہیں جانا۔"

"میں تو جاؤں گا لیکن تمہارے ساتھ ہی۔" وہ برہم ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گی کیا کرو گے تم؟" وہ بھی بگڑی۔

"میں اٹھا کر لے جاؤں گا چلو۔" وہ اس کا بازو کھینچتا ہوا چل پڑا تو اسے اس کا ساتھ دینا ہی پڑا تھا۔ پھر وہ اسے ڈاکٹر عابد کے ہاسپٹل کے اس روم میں لے آیا تھا جہاں پاپا تھے۔ دونوں ان کے پاس کھڑے تھے اور وہ بس پلکیں جھپک جھپک کر انہیں دیکھے جا رہے تھے۔

"آئی ہیٹ یو پاپا آئی ہیٹ یو میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو بہت زیادتی کی آپ نے بہت برا کیا میرے ساتھ۔" وہ یکدم ہی چیخ گئی اور روتی ہوئی غرارہ سنبھالتی ہوئی دوڑتے قدموں سے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

تھی۔

"انکل۔" وہ ایک دم ہی رضوان احمد پر جھکا تھا ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ "آپ رو رہے ہیں انکل۔"

"نہیں بیٹے۔ یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔" ... ہوئے رضوان احمد نے اسے گلے سے لگایا تھا۔ "بیٹے جھنک یہ سوچنا ہم احسان مند ہیں تمہارے۔"

"یوں مت کہیے انکل... احسان تو آپ نے ... ہیں مجھ پر اتنا کہ اگر آپ تک نہیں پہنچا ہوتا تو آج ... پوزیشن پر نہیں ہوتا میں۔"

"ہم نے کوئی احسان نہیں کیا بیٹے۔ وہی کچھ دیا جو تمہارا حق تھا۔ تمہاری محنت تمہاری قابلیت اور ... صلاحیتوں نے اتنی ترقیاں دی ہیں تمہیں ہم تو بس ... بنے ہیں۔" وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے مسکرائے ...

"بس اب جاؤ اور چھوڑو وفا کہاں گئی؟"

"انکل میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گا۔" ... وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"تم جاؤ بیٹے جہاں لے جاؤ بیٹے کہ اب تمہاری ..." وہ پھر مسکرائے تھے۔

"تھینکس انکل۔" اس نے جھکتے ہوئے ان کے ... لبوں سے ... پھر انہیں خدا حافظ کہتا ہوا کمرے سے ... گیا تھا۔ اور جب وہ باہر آیا تو دیکھا وہ قریب بینچ ... چہرہ ہتھیلیوں میں چھپائے رو رہی تھی۔ وہ آکر ... بیٹھا تو وہ آنسو پونچھتی ہوئی فوراً سیدھی ہو بیٹھی ...

"کیا ہوا، رو کیوں رہی ہو؟" وہ پوچھنے لگا۔

"تم ... روتے رہنے کی عادت ...

تھی اس کی مگر ... تھا۔ منصر نے اس ایک ... پر ڈالی تھی اور مزید کچھ کہے بغیر جانے کا راستہ ... آگے بڑھا دی تھی۔ وہ خاموش رہی تو وہ بھی کچھ نہ ... اس وقت وہ بول پڑی جب اس نے رضوان احمد کی ... پیچھے چھوڑ دی تھی اور کار آگے ہی آگے لیے جا رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو تم۔ میرا گھر تو پیچھے رہ گیا ..." وہ بولی۔

"اب وہ پیچھے ہی رہے گا اس لیے کہ اب تمہارا ...

"دو مسلسلہ کو دو نا۔" وہ دوبارہ بیگ سے کچھ نکال رہا تھا۔
وہ اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔
"یہ میں نے اس وقت خریدا تھا جب مجھے میری فرسٹ سیلری ملی تھی۔ بس یہ مجھے اچھا لگا تھا اور میں نے خرید لیا تھا یہ نہیں سوچا تھا کہ کسے دوں گا یا کس کے لیے خریدوں۔ اس وقت میرے ساتھ کسی لڑکی کا تصور نہیں تھا زندگی میں آج تصور ہی نہیں تم بھی میرے ساتھ ہو اس سے بھی نہیں آج رات کا تحفہ ہے یہ ... سادگی سے بھی نہیں ہے پھر بھی میرے لیے اصول ہے کہ اس سے میری محبت کی پہلی کلائی بڑھتی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے باکس سے نازک سا خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کی کلائی کی زینت بنا دیا تھا۔ کچھ ہی نے فوراً ہی اسے دور اچھال دیا تھا۔ لیکن وہ ... کلائی میں اسے محسوس کر کے وہ خوش ہوئی تھی۔
"جاؤ چینج کر لو تم بھی۔" وہ لباس بدل کر واپس آیا تو اس نے کہا۔ اگرچہ پھر بیگ کر کے بیٹھے بیٹھے وہ آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا اور وہ مسکراتی ہوئی وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تھی۔
"میں یہاں نہیں سوؤں گی۔" چینج کر کے آئی تو بیڈ کے پاس کھڑی کہنے لگی۔
"جہاں سونا ہے سو جاؤ۔ لائٹ آف کر دو۔" وہ آنکھوں پر سے بازو ہٹائے بغیر بولا تو وہ چند لمحوں تک کھڑی اسے گھورتی رہی پھر واپس پلٹ گئی۔
"لائٹ آف کر دی جاؤ۔" پیچھے سے وہ بولا تھا۔
"میں نوکر نہیں ہوں تمہاری۔" وہ کہتی ہوئی بیڈ روم سے نکل گئی تھی۔ پھر ایک ایک کر کے سارے کمرے دیکھ ڈالے تھے ڈائننگ روم اور لاؤنج کے علاوہ باقی سب کمرے فرنیچر سے خالی تھے۔ اسے سونے کے لیے کسی کمرے میں بیڈ نہیں ملا تو لاؤنج میں آ کر صوفے پر لیٹ گئی تو ایک دم سے اسے پاپا کی زیادتیاں یاد آنے لگیں۔ جو بھی وہ ولایتیں تو کبھی رلاتی رہیں اور وہ یونہی بھیگی آنکھوں کو مسکراتے ہوئے نیند کی وادیوں میں پہنچ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ منتظر تھا کہ وہ واپس آئے گی مگر جب دیر تک وہ

"... اگر تو ویسے جہاں میں رہتا ہوں۔"
وہ ... مسکرایا تھا۔
"... تمہارے ساتھ۔"
"تو پھر شادی کیوں کی ہے۔"
"شادی کا یہ مطلب نہیں کہ ساتھ ہو جائے۔"
"شادی کا یہی مطلب ہوتا ہے۔"
"... ساتھ نہیں رہوں گی مجھے تم دو گے"

"... ساتھ ... نہیں تم دو گے کے آری کی ... میں بولا تھا اور وہ فوراً ہی کچھ کہتے ... کی جب لب مسکراتا ہوا دیکھ ...

"... اور دوسری چیزیں دیں ...
... نے ... لیے پورا وارڈ ... اور ... چیزیں ... ہے۔" وہ ... گئی۔
... بیگ کے پورچ میں ... جیسے اس کی طرف ... گئی ...
... کار لاک کر کے ... ہوا ...

... یہاں نہیں بیٹھو بیڈ روم میں ... کے صوفے پر بیٹھنے لگی تو اس نے ٹوک ...

"... نہیں کرتے۔" وہ مسکراتا ہوا اسے بازو ... سے لے آیا تھا۔ سفید اور بلیو رنگوں کے ... کافی دیدہ زیب بنایا گیا تھا اس ... اس نے ایک ستائشی نظر ... ڈالی تھی۔

"... تم چینج کر سکتی ہو۔" وہ کہتا ہوا اسے بیڈ ... کی طرف چلا گیا تھا اور وہ انگلیوں سے ... گئی تھی۔

www.pakistanurdunovels.blogspot.com/

وہاں جو آئی تو وہ لیٹنے سے اٹھ بیٹھا۔

"تمہیں بھی نیند نہیں آئی۔" اس خیال کا آنا تھا کہ وہ تیزی سے بیڈروم سے نکلا، باہر دیکھا، چونکا اور بہت مستعدی سے گیٹ کے پاس نہیں لگا رہا تھا۔ وہ پلٹ کر ڈرائنگ روم میں آیا مگر وہ وہاں نظر نہ آئی اور جب لاؤنج میں آیا تو ایک صوفے پر وہ سکڑی سمٹی سی پڑی سو رہی تھی۔ وہ طویل سانس لے کر مسکراتا ہوا اس کے پاس آ رکا تھا۔ وہ روتے روتے سو گئی تھی۔ رخساروں پر پھیلے آنسوؤں کے نشان یہی ظاہر کر رہے تھے، اسے ایک دم ہی بڑا ترس آیا اس پر۔

"سوری جان... خوش نہیں ہوں تمہیں تکلیف پہنچا کر مگر کیا کروں مجبوری ہے۔" زیرلب کہتے ہوئے اس نے بہت سنبھل کر اسے بازوؤں میں اٹھایا تھا اس طرح کہ اس کی نیند میں خلل نہ پڑے اور بیڈروم میں آ کر اسے آہستگی سے بیڈ پر لٹا بھی دیا تھا۔ بہت نرمی سے اس کے چہرے سے بال ہٹا کر اسے چادر اوڑھا دی تھی۔

"اچھی لگتی ہو مجھے، بے حد، تمہیں اپنا لوں گا... بدلہ تو پورا کا پورا لوں گا جان، تمہاری خاطر میں بھی بہت سی تبدیلیاں لے آؤں گا اپنے رویوں میں۔" مسکرا کر سوچتے ہوئے اس نے لیٹ کر دوسری جانب کروٹ بدل لی تھی۔

"زوناف..." وہ رات کا آخری پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی اور خود کو بیڈ پر معیز کے بازو میں پا کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ ساری نیند جھٹکے سے اڑی تھی اور اس نے گھور کر اسے دیکھا تھا جو بے خبری کی پرسکون نیند میں غرق تھا۔

"اے... اٹھو... کیسے آئی۔" وہ ایک دم ہی اس کا شانہ جھنجھوڑنے لگی تھی۔

"زونا کیا ہوا؟" وہ اپنی سائیڈ کا بیڈ لیمپ آن کرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"یہاں کیوں لائے مجھے؟" وہ اسے گھورتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"ظاہر ہے آرام سے سونے کے لیے، وہاں صوفے پر بے آرامی سے پڑی تھیں، مجھے اچھا نہیں لگا۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ایسے ہی... تمہیں کیا تکلیف تھی، میں چاہے جہاں پڑی رہتی۔"

"مجھے بے حد تکلیف تو تھی یار۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ "اب نیند سے جگا کر بحث کیوں کر رہی ہو، سو جاؤ۔"

"میں نہیں سوؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" وہ شانے اچکا کر لیٹنے لگا مگر...

"میں تمہیں بھی سونے نہیں دوں گی۔" وہ بولی تھی۔

"او کے۔ پھر جاگ کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ... تھا۔

"میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گی۔"

"یار کیا مصیبت ہے۔ سونے بھی نہیں دو گی، بات نہیں کرو گی، پھر میں جاگ کر کروں گا کیا۔" اس نے مسکرا کر شریر ہوتی آنکھوں سے بازو سے تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔

"میں مار ڈالوں گی تمہیں۔" وہ بدک کر پرے ہوتی اس کی گرفت سے خود کو چھڑانے لگی تھی۔

"یار تمہارے پاپا نے تو ویسے ہی مار دیا ہے مجھے... کمال کر کے تم مرے ہوئے کو مزید کیا مارو گی۔" مسکراتے ہوئے اس نے ڈھیروں گستاخیاں کر ڈالیں۔

"چھوڑو مجھے۔"

"اں... ہاں... نیند نہیں دو گی، بات... اب جاگ رہا ہوں تو ظاہر ہے کچھ تو کرنا پڑے گا..."

"... مجھے..."

"مجھے تو تم دیکھتی رہو جاناں کہ اب کام ہی یہی ہے۔" وہ اس پر جھکتا چلا گیا تھا اور ساری مزاحمتیں دم توڑ گئی تھیں۔

"زونا اٹھو... اٹھو یار۔" نیند کا وقفہ طویل بھی نہ تھا کہ وہ اسے جگانے لگا تھا۔

"صبح ہو رہی ہے۔"

"میری صبح گیارہ بجے ہوتی ہے۔" وہ آنکھیں کھولے بغیر ہی کروٹ بدل گئی تھی۔

"تو پہلے کی بات تھی۔ آج سے تمہاری صبح فجر کی اذان سے پہلے ہوا کرے گی۔ چلو اٹھو بھی جاؤ۔" وہ کہہ کر مسکرایا تھا۔

"نہیں اٹھوں گی میں کیا کرلو گے تم۔" وہ لیٹے لیٹے ہی آنکھیں کھول کر اسے گھورنے لگی۔

"تمہیں اٹھا کر بیٹھا دوں گا۔" جتنے اطمینان سے وہ بولا تھا اتنے ہی اطمینان سے اسے اٹھا کر بیٹھا بھی دیا تھا۔

"تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔" وہ جھنجھلا کر چلائی ساتھ ہی ہاتھ مار کر اس کے بال بگاڑ دیے۔

"یار کتنا فضول سوال ہے۔ بیوی ہو تم میری تمہارے پیچھے نہیں پڑوں گا تو کیا دوسروں کی بیویوں کے پیچھے پڑوں گا۔" وہ بہت شوخی سے مسکرا رہا تھا۔ "اچھی بیویوں کی طرح بات مانا کرو یار چلو اٹھو فریش ہو جاؤ اذان ہونے والی ہے نماز پڑھو کیونکہ ہماری نئی زندگی کی صبح طلوع ہو رہی ہے اور اس دن کا آغاز ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کریں تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔"

"مجھے نماز پڑھنا نہیں آتی۔" وہ اسے جلانے کو بولی۔

"میں سکھا دوں گا۔" اس نے کہتے ہوئے اسے کھڑا کر دیا تھا اسی پل فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ کہنے لگا۔ "او کے تم جلدی سے فریش ہو جاؤ میں نماز پڑھ کے آتا ہوں پھر تمہیں سکھاؤں گا نماز پڑھنا۔" وہ کہتا ہوا اس کے رخساروں پر ہلکی سی چپت دے کر مسکراتا ہوا چلا گیا تھا۔ اور جب نماز پڑھ کے واپس آیا تو وہ اسے کچن میں ملی۔ وہ مسکراتا ہوا کچن میں چلا آیا تھا۔ بہت فریش موڈ کے ساتھ ناشتہ تیار کر کے میز پر لگا رہا تھا اور اسے دیکھا تھا جو اسی پل کچن میں داخل ہوئی تھی۔ اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بسم اللہ کرو ڈیئر وائف۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ تم جیت گئے ہو۔" وہ اسے گھور کر بولی تھی۔

"جیت تو تمہاری ہوئی ہے یار میں تو ویسے بھی ہار چکا اپنا دل تم سے۔" اس کی مسکراہٹ وسیع ہوئی تھی اور وہ کچھ کہنے کی بجائے ناشتہ کرنے لگی تھی۔

"ناشتہ ہر روز میں تیار کیا کروں گا۔" وہ کہنے لگا۔

خالق

ایک دفعہ ایک دہریہ ہارون الرشید کے دربار میں گیا اور کہنے لگا۔

"آپ کی سلطنت کے سب سے بڑے عالم کو طلب کریں۔ کہ میں وجود باری تعالیٰ پر مناظرہ کروں گا اور اسے قائل کروں گا کہ خدا کا کوئی وجود نہیں۔"

خلیفہ ہارون الرشید نے امام اعظم کو بلا بھیجا امام اعظم نے فوراً آنے کا وعدہ کیا لیکن دربار میں کافی تاخیر سے پہنچے وہ دہریہ جو خوش ہو رہا تھا اس نے شور مچا دیا کہ اتنے بڑے عالم نے وعدہ خلافی کی ہے اور وقت کی پابندی کا خیال نہیں کیا ہارون رشید کے دریافت کرنے پر امام اعظم نے فرمایا۔

"میرا گھر دریا کے اس طرف ہے یہاں آنے کے لیے مجھے دریا عبور کرنا تھا لیکن گھاٹ پر کوئی کشتی نہیں تھی میں دریا کے کنارے کھڑا تھا کہ دریا کے کنارے سے ایک درخت ٹوٹ گیا اور خود بخود اس کے تختے بن گئے اور ان تختوں سے خود بخود کشتی بن گئی اس کشتی نے مجھے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔"

یہ سن کر دہریہ چلایا اور کہنے لگا۔ "یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کشتی بنانے والا نہ ہو اور کشتی بن جائے۔"

امام صاحب نے فرمایا۔

"جب ایک چھوٹی سی کشتی خود بخود تیار نہیں ہو سکتی تو پھر یہ اتنی بڑی اور حیرت انگیز کائنات بغیر کسی خالق کے کس طرح وجود میں آسکتی ہے۔"

یہ سن کر دہریہ چپ کا چپ رہ گیا۔

(امبر گل [illegible])

FAMOUS URDU NOVELS

"وہ پہر اور رات کا کھانا تم بنایا کرو، ٹھیک ہے؟"
"میں کیوں بناؤں، نوکر ہوں تمہاری؟"
"بیوی تو ہو۔"
"مجھے کھانا بنانا نہیں آتا۔"
"تو سیکھ لو۔"
"میں نہیں سیکھوں گی۔"
"مت سیکھو..... میرا کیا ہے میں تو ہوٹلوں میں کھا لیا کروں گا پرابلم تمہیں ہی ہوگی۔ کھانا ہے تو پکانا سیکھو۔" وہ ناشتہ کرتے ہوئے بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔
"مطلب کیا ہے تمہارا ہاں؟" وہ گرم ہونے لگی۔
"سیدھا سا مطلب ہے اگر کھانا ہے تو پکانا تو پڑے گا ہی۔"
"نہیں پکاؤں گی میں۔"
"مت پکاؤ۔ یوں بھی مجھے کون سا شوق ہے تمہارے ہاتھ کا کھانا۔" وہ شانے اچکا کر چائے پینے لگا تھا۔
"کان کھول کر سن لو تم، میں نہیں پکاؤں گی تمہارا۔" وہ ناشتہ ختم کر کے جانے لگا تو وہ چیخ کر بولی۔
"تم بھی کان کھول کر سن لو ڈونٹ کیئر۔" وہ کہتا ہوا کچن سے چلا گیا تھا اور مارے غصے کے کچن سے کھایا نہ گیا تو اس کے پیچھے لپکی۔
"تم خود کو سمجھتے کیا ہو ہاں؟"
"بقول تمہارے ہی..... دو ٹکے کا آدمی۔" بہت پرسکون لہجہ تھا اس کا۔
"تمہیں تو میں دو ٹکے کا بھی نہیں رہنے دوں گی۔"
"یار اب تو تم اپنی کسی ایک دھمکی پر عمل کر ہی ڈالو، یا تو مجھے ذلیل کرو یا مار ڈالو یا تو دو ٹکے کا بھی مت رہنے دو۔" اس نے ہنس کر اسے مزید تپا دیا تھا۔ وہ اسے مارنے لپکی اور اس نے بہت آرام سے اس کی کلائیاں تھام کر اسے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔
"اب یہ بچپنا چھوڑ دو جاناں کہ اب ذمہ داری والی پوسٹ پر آ گئی ہو۔ کچھ اپنا خیال رکھو کچھ اپنے شوہر کا خیال رکھو۔ خود بھی خوش رہو اور مجھے بھی رہنے دو۔" وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔
"تمہیں تو میں کبھی خوش نہیں رہنے دوں گی۔" اس نے سارا زور صرف کر ڈالا تھا اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے مگر کامیاب نہ ہو سکی تو جل کر چلانے لگی۔
"خوش تو میں ہمیشہ رہوں گا بس تم دیکھتی جاؤ۔" اس نے کہتے ہوئے اسے بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔ پھر خود آفس جانے کی تیاریوں میں لگ گیا تھا جبکہ وہ لب بھینچے اسے گھورے گئی۔ کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ کتنی آسانی سے وہ اسے بے بس کرتا چلا گیا تھا کل سے آج تک اور وہ دھمکیاں دینے اور کڑھنے کے علاوہ کچھ بھی تو نہ کر سکی تھی۔
"کہاں جا رہے ہو تم؟" اور جب وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلنے لگا تو وہ پوچھتی ہوئی سامنے آ گئی۔
"آفس۔" وہ مسکرایا۔
"میں بھی چلوں گی۔"
"نو وفا بیگم تم تو بس مجھے اور میرے گھر کو سنبھالو [illegible] کے لیے میں ہی کافی ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما تھا۔ "فضول کی ضدیں چھوڑ کر گھر سنبھالنا سیکھو تمہاری حرکتیں مجھے کوئی زک نہیں پہنچا سکیں گی الٹا تم خود زحمت میں پڑ جاؤ گی۔ سوچو تو کل سے آج تک کیا بگاڑ لیا میرا؟"
"کل سے آج تک نہ بگاڑ سکی تو تم دیکھنا کچھ بگاڑ سکوں گی۔" وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر بولی تھی۔
"اوکے..... تمہاری جو مرضی ہو کرو۔ میں تو چلتا ہوں دوپہر میں نہیں آ سکوں گا۔ تم کھانا بنا کر کھا لینا، کچن میں سب کچھ موجود ہے۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا۔
"کھانا میری جوتی بنائے گی۔" پیچھے سے وہ چلائی تھی۔
"جوتی بنائے یا جوتا، کھانا تو تمہیں ہی ہے۔" وہ ہنستا ہوا چلا گیا تھا۔
"او گاڈ آنٹی کہاں پھنسا دیا آپ نے مجھے میں تو کچھ نہ کر سکی وہی میرا اچھا خاصا آرام کیے جا رہا ہے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ٹیلی فون کی تلاش میں بیڈ روم میں نظریں دوڑائیں مگر فون کہیں نظر نہ آیا تھا۔ پھر اس نے بیڈ روم ہی نہیں سارا گھر چھان مارا تھا۔ آرام و آسائش کی ساری چیزیں موجود تھیں نہیں تھا تو بس ٹیلی فون ہی نہیں تھا۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو... میں باہر جاکر فون کروں گی آنی کو۔" تھک ہار کر وہ بیڈروم میں واپس آگئی تھی۔ ابھی تک وہ باتھ گاؤن میں ہی پھر رہی تھی۔ باہر جانے کا خیال آیا تو وارڈ روب کھول کر کھڑی ہوگئی۔ سارا وارڈ روب کپڑوں سے بھرا تھا مگر ایک بھی ڈریس ویسا نہیں ملا جیسا کہ وہ اب تک پہنتی رہی تھی۔ سارے ملبوسات ہی مشرقی انداز لیے ہوئے تھے۔ مغربی طرز کا لباس جیسا کہ وہ پہنتی تھی، ایک بھی اسے وارڈ روب سے نہیں مل سکا تھا تب اس نے ڈھیروں گالیاں مظفر حماد کو دیتے ہوئے ایک شلوار سوٹ نکال کر پہن لیا۔ دوپٹے نے جان جلائی تو مروڑ کر گولہ بنا کر دور اچھال دیا اور تراشیدہ بالوں میں جلدی جلدی برش پھیر کر باہر نکل آئی گیٹ تک آئی تو اسے مقفل پاکر پاس کھڑے چوکیدار سے کہنے لگی۔

"گیٹ کھولو۔"

"پرمیشن نہیں ہے۔" چوکیدار ادب سے مخاطب ہوا تھا۔

"واٹ کیا مطلب ہے؟" وہ بگڑنے لگی۔

"جی۔ بی بی صاحب۔ وہ ... صاحب نے سخت وارننگ دے رکھی ہے کہ باہر سے کوئی ان کے سوا نہ اندر آسکتا ہے اور نہ ہی ان کے سوا کوئی اندر سے باہر جا سکتا ہے۔"

"میں جاؤں گی باہر... تم کھولتے ہو یا نہیں۔" وہ اور بھی بھڑکی۔

"میں نہیں کھول سکتا بی بی آپ اندر جاؤ۔ صاحب کے سوا میں کسی کی بات نہیں مانوں گا۔" چوکیدار نے بڑے واضح الفاظ میں اپنی وفاداری جتادی تھی۔ وہ چند لمحوں تک لب بھینچے کھڑی اسے گھورتی رہی پھر پیر پٹختی ہوئی اندر چلی آئی تھی اور باقی کا سارا وقت اس نے مظفر حماد کو گالیاں نوازتے ہی گزارا تھا اور جب بھوک لگی تو کچن میں چلی آئی میز پر ناشتے کے برتن یونہی پڑے ہوئے تھے۔ اس نے کچن کا ایک ایک کیبنٹ کھول کر دیکھ ڈالا فرج کی بھی تلاشی لے ڈالی مگر فروٹس، دودھ اور بریڈ کے سوا اسے کوئی اور چیز ایسی نہ ملی جسے وہ بنا کر کھا سکے۔

"زندگی میں میں نے کبھی کچن کی صورت نہیں دیکھی

غزل

بہنام گیلانی

دل کشا صوت شباب روح پرور تو نہیں
وہ کھنڈر ہے اب ہمارے دل کا منظر تو نہیں

ڈوبنے کا شوق ہے دیوانگی کی اک دلیل
نرگس وشہلا کسی کی بھی سمندر تو نہیں

پاؤں پھیلانا فراغت سے جہاں ممکن نہ ہو
اس قدر بھی تنگ مرے دل کی چادر تو نہیں

لہلہاتی ہیں یہاں بارود و بم کی کھیتیاں
ان کی زد میں آنے والا خود مرا گھر تو نہیں

ہم سے پہلے بھی ادا کیا ہو گئے سچائی کے
حیرتی ہیں لوگ کہ یہ بھی پیمبر تو نہیں

یہ مجھے تسلیم ہے کہ رہگزر ہے سنگلاخ
منزل مقصود لیکن اس سے ہٹ کر تو نہیں

چلتے چلتے تم نے جس کو پاؤں سے ٹھکرا دیا
دیکھنا وہ بھی ہے بس راہوں کا پتھر تو نہیں

گاؤں میرا وادی مفلوکیت آیا نظر
کھیت میرے عزم کا بے نام بنجر تو نہیں

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com

پوری تم کیا سمجھتے ہو تمہاری رٹ مان لوں گی۔ بھوکی مر جاؤں گی مگر تمہیں پلاؤں گی کچھ بھی دیکھتی ہوں اب تم کیا بگاڑ لو گے میرا۔" غصے سے وہ دھاڑی۔ ساتھ ہوتے ہوئے تھے ذہن پر اور اس نے خوب ہی غم کو توڑ پھوڑ چلی گئی کچن میں۔ اس سے بھی جی نہ بھرا تو ڈرائنگ روم پر دھاوا بول دیا۔ جس قدر شو پیس اور دیواروں پر آویزاں پینٹنگز کو توڑ سکتی تھی توڑے اور جب تھک گئی تو بیڈروم میں آ کر سو گئی تھی۔ اور جب شام سے کچھ پہلے ہی وہ گھر میں داخل ہوا وہ تو فوراً سے آتی تھی مگر ڈرائنگ روم کی حالت زار دیکھ کر اس نے زوفا کے موڈ کا اندازہ ضرور کر لیا تھا۔

"پاگل لڑکی بہت محنت کرنی پڑے گی تمہارے پیچھے۔" وہ زیر لب مسکراتا بیڈروم میں آ گیا تھا۔ وہ بیڈ پر تکیوں میں منہ دیے پڑی تھی۔ اسے مخاطب کیے بغیر بریف کیس رکھ کر وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالے تھے اور باتھ روم میں چلا گیا تھا۔ چینج کر کے کمرے میں آیا تب بھی وہ اسے پہلے والی پوزیشن میں ہی نظر آئی تھی اور وہ اسے مخاطب کیے بغیر خاموشی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ کچن میں آ کر اس کی حالت زار دیکھی تھی پھر طویل سانس لیتا ہوا صفائی میں جت گیا تھا۔ کچن کے بعد اس نے ڈرائنگ روم کی حالت بھی درست کی تھی پھر بیڈروم میں چلا آیا تھا۔ وہ ہنوز تکیوں میں منہ دیے پڑی تھی۔

"زوفا کیا ہوا جان؟" بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے بڑی محبت سے پوچھا تھا۔

"میں مار ڈالوں گی تمہیں تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟" وہ تکیہ پھینک کر چیختی ہوئی اٹھ بیٹھی ایک تو اپنی بے بسی کا احساس غالب تھا دوسرے بھوک نے بے حال کر دیا تھا جو وہ اسے بے نقط سنانے کی چاہ کے باوجود کچھ نہ کہہ پائی تو ایک دم ہی شدتوں سے رو پڑی تھی۔

"زوفا میری جان۔" اس نے محبتوں سے سمیٹا تھا اسے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے محبت جتانے کی ایک تو زیادتی کرتے ہو اوپر سے بھولے بن جاتے ہو۔" اس کے سینے سے لگ کے بے ساختہ وہ رو دی تھی۔

"میں نے کیا کیا بھئی۔" وہ زیر لب مسکرایا تھا اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ وہ روکنے کی سعی نہیں کی تھی۔

"قید کر کے رکھ دیا مجھے اس گھر میں اس چوکیدار کے بچے نے باہر بھی جانے نہیں دیا مجھے آنٹی کو فون کرنا چاہتی تھی وہ بھی نہیں کر سکی۔ کھانا بھی نہیں کھایا میں نے اور پوچھتے ہو کیا ہوا؟"

"ساری غلطیاں تمہاری ہیں زوفا میں نے کچھ نہیں کیا۔ تم ڈھنگ سے رہنا سیکھ جاؤ تو مجھے ضرورت ہی کیا تم پر پابندیاں لگانے کی۔"

"میں چاہے جیسے رہوں۔ تمہیں مطلب؟"

"مطلب ہے جب ہی تو کہہ رہا ہوں۔" اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ "چلو اٹھو کچھ پکا کر کھلاتا ہوں تمہیں۔"

"نہیں کھانا مجھے۔" وہ ہنوز سسک رہی تھی۔

"کم آن یار ضد مت کرو۔ آؤ۔" وہ کہتا ہوا اسے بازو کے نرم حلقے میں سمیٹے کچن تک لے آیا تھا۔

"بیٹھو آرام سے۔" اسے کرسی پر بیٹھا کر خود کچن شیلف کی جانب چلا گیا تھا۔ جلدی جلدی چکن سینڈوچ بنائے تھے اور اس کے سامنے رکھ دیے تھے۔

"کھاؤ۔" اس کے بازو والی کرسی پر بیٹھتے وہ بولا تھا۔

"نہیں کھاؤں گی میں۔"

"پھر اپنا احتجاج کس وقت کرو گی؟ تب جب خود زندہ رہو گی۔ چلو کھاؤ۔" وہ زیر لب مسکرایا تھا اور وہ اسے گھور کر سینڈوچ کھانے لگی تھی کہ اب بھوک غصے اور ضد پر غالب آ چکی تھی۔

"چائے پیو گی؟" اور جب وہ کھا چکی تو وہ پوچھنے لگا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ لو۔" دس منٹ بعد ہی چائے کا ایک کپ اسے دے کر دوسرا وہ خود لے کر بیٹھ گیا تھا۔

"آج تم نے جو بھی کیا اسے میں معاف کرتا ہوں لیکن آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے اگر ہوا تو یاد رکھنا میں بار بار معافی دینے کا عادی نہیں ہوں۔" چائے پیتے ہوئے وہ قدرے سخت لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ "آج تمہیں کھانا کھلا دیا ہے آئندہ بھوکی رہو گی تو میں پلٹ کر پوچھوں گا بھی نہیں۔ اگر جینا ہے تو جینے کے ڈھنگ بھی سیکھو نہیں جینا

...تو صاف کہو، ابھی گردن دباؤں گا مر جاؤ گی۔ جان
...نے کی میری۔"

"تمہاری جان تو میں چھوڑوں گی نہیں۔ مروں گی تو
...ساتھ ہی لے کر مروں گی سمجھے تم۔" وہ اسے گھورتی
...پیچ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ تو مجھے خوش فہمی ہو گئی میری۔" وہ بہت خوشی سے
...اور وہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئی تھی۔

"سوری انکل...... آپ نے کہا تھا کوئی نرمی مت برتنا
...میں کیا کروں۔ اتنی پیاری لڑکی پر ایک ساتھ بہت
...زیادتیاں تو نہیں کر سکتا ناں۔" سوچتا مسکراتا وہ
...کے خیال سے ہنسنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

"کھانا پکا کر کھا لینا۔ اگر کل والی حرکت دہرائی گی تو
...کر نہیں لگے گی نقصان تمہارا ہی ہوگا۔" آفس کو
...جانے سے پہلے کہہ رہا تھا۔

"مجھے کھانا پکانا نہیں آتا۔ کتنی بار بتاؤں تمہیں۔" وہ
...ورتی ہوئی بولی تھی۔

"تو سیکھنے میں پرابلم کیا ہے۔ کل ہی لے آیا تھا کچھ
...ایک شیلف میں پڑی ہیں، پڑھ کر پکا لو۔"

"...ایک کک نہیں رکھ سکتے ہو تم۔" وہ جھلائی۔

"...رکھ تو لوں مگر کک کی سیلری کہاں سے لاؤں۔"
...وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

"کیوں ایسے ہی کنگال ہو۔ میرے پاپا کی ساری
...پر قبضہ جما کر بیٹھے تو ہو۔"

"...یہی تو پرابلم ہے یار کہ پراپرٹی ساری تمہارے پاپا
...میرا کیا ہے اس میں؟"

"کیوں سب کچھ تمہارے نام تو کر دیا ہے انہوں

"...ہاں کر دیا ہے تو کیا میں فضول کاموں کے پیچھے پیسے
...دوں؟"

"وہ کک کھانا بنائے گا تو فضول کام کرے گا؟" وہ
...تی۔

"یقیناً فضول کام ہی کرے گا۔ جب تم موجود ہو تو
...کیا ضرورت؟"

"میں نہیں پکاؤں گی سمجھے تم۔"

"مت پکاؤ۔ مرنا بھوکی...... اور میں اوپر والا نگ نہیں
ہے کل رعایت کر گیا تھا اور میں کوئی بھی کام ایک ہی بار
کرنے کا عادی ہوں۔" چابی اٹھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا
اور وہ پیچ و تاب کر رہ گئی تھی۔

"فون کیوں نہیں ہے گھر میں نہ لینڈ لائن اور نہ ہی
موبائل۔" غصہ اور جھلاہٹ پر قابو پا کر وہ پوچھ رہی تھی۔

"میں افورڈ نہیں کر سکتا اس لیے۔"

"تم افورڈ کیا کر سکتے ہو مجھے بتاؤ۔"

"میں صرف ایک عدد بیوی افورڈ کر سکتا ہوں سو کر لی
ہے۔ اب بیوی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنا اور اپنے شوہر کا
خیال رکھے۔ شوہر جن کاموں کے لیے ملازم افورڈ نہیں کر
سکتا وہ خود کرے۔" وہ بڑے مزے سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں صرف بیوی کا فرض بنتا ہے شوہر کا کوئی فرض
نہیں ہے؟"

"ہے کیوں نہیں اور میں بخوبی اپنے فرائض ادا کر
رہا ہوں۔ تمہیں کمی کیا ہے اس گھر میں بتاؤ۔ خیال نہیں رکھ
رہا ہوں؟ تحفظ نہیں دے رہا ہوں تمہیں۔ کھانے
پینے کی کمی ہے کوئی؟ کچن بھرا پڑا ہے جو جی چاہے پکا کر کھاؤ۔
رہا باہر جانے کا سوال تو جب کہو تمہیں لے چلوں۔" وہ اپنا
ایک ایک فرض گنوا کر جیسے احسان کر رہا تھا اور وہ جل کر رہ

"ہاں بڑا خیال رکھا ہے میرا۔ کونسا تحفظ دیا ہے بتاؤ۔
قید تو کر رکھا ہے مجھے۔"

"تم اپنے ہی گھر میں ہو، خود کو قیدی سمجھ رہی ہو تو میرا
کیا قصور۔" وہ کہہ کر مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔

"اچھا قید نہیں کیا تو پھر ہٹاؤ ناں اپنے اس خدائی
فوجدار کو گیٹ پر سے۔"

"وہ تو نہیں ہٹے گا یار...... اس کی بھی روزی روٹی کا
سوال ہے۔ تمہیں باہر ہی جانا ہے تو مجھ سے کہو ناں، میں
لے چلوں گا۔"

"تمہارے ساتھ مجھے نہیں جانا سمجھے تم۔"

"تمہاری مرضی۔" وہ شانے اچکا کر پرفیوم اسپرے
کرنے لگا تھا۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری اس قید میں رہوں گی۔ کل تمہارے اس پہریدار نے گیٹ نہیں کھولا تھا اگر آج اس نے منع کیا تو میں شور مچا کر پڑوسیوں کو جمع کروں گی۔" وہ دھمکی دے رہی تھی۔

"ضرور مچاؤ شور مگر پڑوسیوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی۔ میں انہیں آل ریڈی بتا چکا ہوں کہ میری بیوی پاگل ہے اور اس پر اکثر خطرناک قسم کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ تم شور مچاؤ گی چلاؤ گی اور میرے اسی جھوٹ پر تصدیق کی مہر لگادو گی۔ لو کے اب میں جاؤں یا اور کوئی شکایت باقی ہے؟" جوتے کے تسمے باندھنے کے بعد وہ سیدھا کھڑا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"مرو تم۔" وہ چیخ کر چلائی تھی۔

"میں مر گیا تو کیا ہوگا تمہارا۔" وہ ہنستا ہوا اس کے پاس آرکا تھا۔ "اتنا ظلم نہ کرو مجھ پہ، مجھ سے پہلے ہی مر جاؤ گی یار اپنا خیال رکھا کرو، غصہ کم کیا کرو، کوئی بات غصے سے دماغ سے بھی سوچ لیا کرو چاہیے اور پھر کہہ رہا ہوں کل والی حرکت دوبارہ خود کو مصیبت میں مت ڈالنا گی۔ میں شام کو واپس آؤں گا ٹھیک ہے۔" وہ کہتا ہوا اس کے رخساروں کو دھیرے سے چھو کر چلا گیا تھا۔

"یہ پاپا نے اچھی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ شادی کروا کے قید رکھو اس کا جینا حرام کرو۔ میں بھی سب سنبھال لوں گی۔ پتا نہیں کب آئیں گی اس کمینے آدمی نے تو میرا اس جینا مشکل کر دیا ہے۔ ایک فون تک نہیں کر سکتی ہوں میں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی بک شیلف سے پکوان کی کتابیں نکال کر بیٹھ گئی تھی۔ دیر تک پڑھتی رہی تھی مگر صرف سادے چاول اور دال بنانے کی ترکیب سمجھ میں آئی تھی جسے پڑھ کر اس نے سوچا تھا کہ وہ پکائے گی۔ کتاب سے پڑھ پڑھ کر جیسے تیسے اس نے پکا تو لیا مگر پکنے کے بعد دال اور چاول کی جو شکل اسے نظر آئی تھی اسے دیکھ کر اسے سچ مچ رونا آگیا تھا۔ یوں بھی وہ کچن کے کاموں سے اب تک بالکل دور رہی تھی۔ آنٹی کے پاس رہتی تھی تو تب بھی شوقیہ کچن کے کام کرنے کی سعی کرتی تو آنٹی منع کر دیتیں کہ۔

"بیٹے تمہیں کیا ضرورت ہے یہ سب کام کرنے کی۔ تم تو بس لائف انجوائے کرو، تمہارے پاپا نے تمہارے لیے اتنا کمایا ہے کہ تم بغیر کچھ کیے ان ... ہو۔ ضرورت ہی کیا ہے یہ سارے کام کرنے ... ملازمین کس لیے ہیں؟" وہ کہتی تھیں اور وہ ... کر کے ان کی باتیں مانتی تھی۔ مگر آج اسے ... غلطی کی آنٹی کی بات مان کر۔ اگر ... برا حال تو نہ ہوتا کہ کتابیں پڑھنے کے باوجود ... سے چاول تک نہ ابال سکی تھی۔

"بیٹے کبھی کبھی کچن کا بھی کوئی کام ...

جب پاپا اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے تو ... باتوں کے علاوہ یہ تاکید بھی ضرور کرتے تھے۔

"میں کیوں دیکھوں نوکر کس لیے ہیں۔" وہ ... نے جواب دیتی تھی۔

"ہاں بیٹے نوکر ہیں اور تمہیں اللہ کا شکر ادا ... کہ اس نے تمہیں ایک بے حد خوشحال گھر میں پیدا کیا ... مگر کچھ سیکھنے میں جاننے میں کیا حرج ہے۔ یوں ... وقت بھی کہہ کر نہیں آتا۔" پاپا اکثر سمجھاتے ... اس پر خاک اثر نہیں ہوتا تھا۔ پاپا کو چڑانے ... ضد میں آکر وہی سب کرتی تھی جس سے پاپا منع ... اور ان کاموں اور باتوں پر توجہ ہی نہیں دیتی ... پاپا تاکید کیا کرتے تھے۔

"بر وقت آپ نے مجھ پر مسلط کیا ہے پاپا ... بیٹ ہوئی ہے اور اب جبکہ بر وقت آن ... تب بھی وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے پاپا کو ... ٹھہرا رہی تھی۔

"... لینے میں کوئی حرج نہیں تھا پاپا آپ ... کہتے تھے۔" اور جب ذہن سے جھلاہٹ ... اس نے سوچا تھا۔ "اب کیا کروں، کیسے سیکھوں ... آدمی تو آپ سے بھی زیادہ ظالم ہے پاپا۔" ... کیفیت سے دوچار وہ خود کو بھی پاپا کو بھی ... کوس رہی تھی۔ پکوان کی کتابیں پڑھنے کی وجہ ... بھی تھک گئی تھی اور جب وہ اپنے ہی پکائے ... اور دال لے کر کھانے بیٹھی تو ایک نوالہ بھی حلق ... سکی۔

"نہیں سیکھوں گی، نہیں پکاؤں گی، نہیں ...

ہی مر جاؤں گی۔ دیکھا ہوں گی کیا کر لیتے ہو تم۔" ضد سوار ہو گئی تھی اس پر وہ کھانا یوں ہی چھوڑ چھاڑ بیڈ روم میں واپس آ گئی تھی۔ بھوک سے برا حال تھا۔ فریج میں فروٹس موجود تھے مگر ضد میں آ کر اس نے کھائے نہیں۔ "مر جاؤں گی میں نہیں کھاؤں گی۔" تکیوں میں منہ دیے وہ بیڈ پر پڑی رہی تھی اور جب شام کو وہ واپس آیا تو وہ اسے اسی حالت میں ملی تکیوں میں منہ دیے پڑی تھی اس نے اسے مخاطب کیے بغیر باتھ روم جا کر لباس تبدیل کیا تھا پھر کچن میں چلا آیا

"ہوں کچھ کارروائی ہوئی تو ہے۔" چولہے پر رکھی پتیلیوں کو دیکھ کر وہ مسکرایا تھا پھر انہیں کھول کر دیکھا۔ دال اور چاول جیسی کوئی چیز نظر آ رہی تھی جسے دیکھتے ہوئے اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی مگر اس وقت چہرے کے زاویے بگڑ گئے جب اس نے دال اور چاول چکھ کر دیکھے۔

"مطلب یہ کہ بالکل کوری ہو۔ صرف کتابیں پڑھی ہیں کچھ سیکھا نہیں کبھی۔" مسکراتے ہوئے اس نے چائے بنائی تھی اور کپ میں لے کر بیڈ روم میں چلا آیا۔ وہ ہنوز تکیوں میں منہ گھسائے پڑی تھی۔ وہ اسے مخاطب کیے بغیر چائے کی چسکیاں لیتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر ٹی وی آن کر لیا تھا۔ دیر تک دیکھتا رہا تھا عشاء کی اذان ہوئی تب ٹی وی آف کیا تھا پھر اسے دیکھا تھا جو لیٹے لیٹے سو گئی تھی مگر کچھ بولی نہیں تھی۔ چہرہ اترا ہوا اور رونے کی وجہ سے آنکھیں سوجی سوجی سی تھیں۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ صبح سے بھوکی پڑی ہوئی ہے مگر پھر بھی اس نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

"یہ کس مشکل میں ڈال دیا ہے انکل جی آپ نے میں کیسے زیادتی کروں اس نازک لڑکی کے ساتھ جو زندگی میں شامل ہو چکی ہے میری اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود۔" وہ وضو کرنے اٹھ گیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" دفعتاً وہ پوچھنے لگی۔

"نماز پڑھنے..... اس کے بعد کھانا کھاؤں گا ہوٹل میں۔" وہ بولا۔

"تو تم کھانا کھاؤ گے..... اچھا۔" وہ چلانے لگی۔ "تمہاری بیوی صبح سے بھوکی بیٹھی ہے اور تم کھانا کھاؤ گے۔ شرم نہیں آتی تمہیں۔"

مہکتی کلیاں

☆ جب کسی انسان پر احسان کرو تو اسے چھپاؤ اور اگر کوئی تم پر احسان کرے تو اسے پھیلاؤ۔

☆ نیک شخص کے لیے موت راحت ہے اور بد کی موت دنیا کے لیے راحت ہے۔

☆ اے عقل مند!! ایسے دوست کو چھوڑ دے جو تیرے دشمنوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔

☆ سات سمندروں کے پانی کے مقابلے میں انسان کی آنکھ سے کہیں زیادہ آنسو بہہ چکے ہیں۔

☆ جس دل میں برداشت کی قوت ہوتی ہے وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔

(افشاں نور، روہل)

"شرم کیوں آنے لگی مجھے؟" وہ بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ چھپا کر کہنے لگا۔ "بیوی بھوکی ہے تو میں کیوں شرماؤں اور بھوکا رہوں۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ پکا کر کھا لینا تم نے نہیں پکایا۔ نہیں کھایا تو تمہاری غلطی..... میں کیا کروں۔" وہ کہتا ہوا چلا گیا تھا اور جب دوبارہ آیا تو وہ اسے گھٹنوں میں منہ دیے بیڈ پر بیٹھی نظر آئی۔

"زوہا میری جان کیا ہوا۔" اس نے گھٹنوں سے سمیٹ لیا تھا اسے۔

"مت چھوؤ مجھے..... دو ٹکے کے آدمی بہت کمینے ہو تم..... ایک تو زیادتی کرتے ہو اس پر کمینگی بھی جتانے لگتے ہو۔" اس کے شانوں پر گھونسے مارتی ہوئی وہ شدتوں

FAMOUS URDU NOVELS

سے بولی۔

"میں نے کیا کیا یار۔"

"نہیں تم تو بڑے معصوم ہو، غلطی تو ساری میری ہے جو وہ دی آئی تھی تم سے شادی کرنے۔" وہ رونے لگی۔ "بڑی تمہیں بتاتے ہوئے ایک کک نہیں رکھ سکتے ہو۔ بھوکا مارنے پر تل گئے ہو مجھے اوپر سے زوفا جان، زوفا زندگی کرتے رہتے ہو۔ مار ڈالوں گی جان چھوٹے گی میری۔"

"تمہیں مار ڈالوں گا تو خود کیسے جیوں گا میری زندگی۔" اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاں جب ہی جان جلا رہے ہو۔ میں بھوکی پڑی ہوں اور خود ہوٹلوں میں عیاشیاں کرتے پھر رہے ہو۔ ایک کک کا انتظام نہیں کر سکتے ہو تم۔"

"کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط ہے تم اگر مانو تو۔"

"کیسی شرط۔" اس کے انداز دھیمے پڑ چکے تھے۔ دن بھر کی بھوک نے اپنا اثر دکھایا تھا جبھی سمجھوتہ پر آمادہ ہوئی تھی ورنہ حال جو بھی بات رہی ہو بہت ... انداز میں ... رہی تھی۔

"بتاؤ کون سی شرط؟"

"یہ کہ کک صرف تمہیں کھانا کھلائے گا نہیں بلکہ تمہیں پکانا بھی سکھائے گا اور تمہیں سیکھنا ہوگا۔ منظور ہے تو بولو میں کل ہی کک کا انتظام کر دیتا ہوں۔"

"مجھے منظور ہے لیکن تم بہت برے ہو وڈے کے آدمی۔"

"میں بہت اچھا بھی ہوں وڈے کے آدمی کی بیوی۔ چلو اب اٹھو جا کر منہ دھو، باہر کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے اسے بیڈ سے اٹھا دیا تھا۔

"میں وہ دال چاول نہیں کھاؤں گی۔" وہ معترض ہوئی۔

"مت کھانا یار.... میں ہوٹل سے کھانا لایا ہوں۔" وہ بولا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اب ایسے تو مت دیکھو میری جان.... اتنا برا بھی نہیں ہوں۔" وہ زیرلب مسکرایا تھا۔

"کتنے ظالم تم تو بہت ہی برے ہو۔" وہ اسے گھورتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

☆...☆...☆

"زوفا یہ مس فرحین ہیں، تمہیں کوکنگ سکھائیں گی۔" اگلی صبح گھر کے ڈرائنگ روم میں وہ اسے اس کی ... سے متعارف کروا رہا تھا۔ "اور مس یہ میری وائف ہیں کچھ نہیں جانتی ہیں کھانا پکانے کے بارے میں مگر ... چاہ رہی ہیں۔ میں امید کروں گا آپ میری وائف کو ماسٹر بنا دیں گی۔" وہ زیرلب مسکراتا ہوا ...

"امید نہیں آپ کو یقین رکھنا چاہیے سر۔" فرحین بولی ...

"تھینکس۔" وہ مسکرایا پھر زوفا سے کہنے لگا۔ "اپنی ٹیچر کے ساتھ لگ جاؤ ڈیئر میں آفس چلتا ہوں ... کرتا ہوں میری طرح اسے زچ نہیں کرو گی۔" وہ چلا گیا تھا اور وہ جل کر رہ گئی تھی۔ اس نے تو سوچا تھا کہ ان پڑھ سے خانساماں کا انتظام کرے گا اور ... سے سیکھنے کی بجائے اپنی مرضی کے کھانے بنوایا کرے گی مگر وہ تو ایک ماہر پڑھی لکھی کک لے آیا تھا جو ... ساتھ کچن میں لگ گئی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی باتیں سننی پڑیں، اس کے بتاتے ہوئے کام کرنے پڑے تھے۔ فرحین سے تو وہ کچھ نہ بولی مگر جب وہ ... آیا تو اس پر بگڑنے لگی۔

"اس سے تو اچھا تھا کہ میں کوکنگ کلاسز کر لیتی۔"

"ہاں وہ بھی ٹھیک تھا مگر اب جبکہ میں نے انتظام کر دیا ہے تو اچھے سے سیکھو، ہاں گرم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"نہیں سیکھوں گی کیا کر لو گے تم۔"

"یار ... ہو کر تمہاری ضد میں ... نہیں چلیں گی تو کر لیا ... ہوں۔ ویسے تو میں ... آسکتا مگر آج آ گیا وہ بھی صرف اس لیے کہ تمہارے ہاتھ کا بنا کھانا کھاؤں۔ جو بھی پکایا ہو جلدی سے ٹیبل پر لگاؤ مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔" وہ کہتا ہوا باتھ ... چلا گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، ہاں میں پکاؤں ... کھاؤ گے اچھا؟" وہ چیخ کر کہتی آیا تو وہ گرم ہو ...

"ظاہر ہے جب بیوی پکائے گی تو شوہر ہی ...

ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔

"میں تمہیں کھانے نہیں دوں گی سمجھے تم۔"

"مت دو...... میں خود لے کر کھالوں گا۔" وہ بیڈ روم سے نکل گیا تو وہ بھی پیچھے لپکی تھی۔ "کیوں کھاؤ گے تم میں نے بنایا ہے تو میں ہی کھاؤں گی۔ تم جاؤ اس جا کر ہوٹل میں عیاشی کرو۔" وہ خوب ہی تپی تھی۔

"یار اب روز روز تو ہوٹلوں کی عیاشی افورڈ نہیں کر سکتا ہیں۔" وہ ہنستا ہوا ایک ایک پتیلی کے ڈھکن کھول کھول کر اندر جھانک رہا تھا۔

"چلو تم بھی کھاؤ میں لگاتا ہوں۔" وہ ہنستا ہوا اس کی جانب گھوما تھا اور اسے شانوں سے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

"ہاں...... احسان کرو گے نا مجھ پر کھانا لگا کر۔" وہ خوب ہی جل رہی تھی۔

"بڑی ہی بھی دھروں کا یار اب تو مسکرا کر تمہیں جلتے کڑھتے دیکھ دیکھ کر میرا دل رو رہا ہے۔" بہت خوشی سے کہتا ہوا وہ میز پر برتن وغیرہ سیٹ کرنے لگا تھا۔

"بس...... تمہارا دل اور رو لے تمہیں تو بس رلانا آتا ہے۔"

"میں نے کب رلایا تمہیں بتاؤ، تم خود ہی روتی ہو تو الگ بات ہے میں نے تو تمہیں کچھ کہہ دیا کرو۔" وہ جہاں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ کھانا حالانکہ بہت اچھا نہیں بنا تھا پھر بھی وہ کھاتے ہوئے تعریفیں کر رہا تھا اور وہ خوش ہونے کی بجائے چڑ رہی تھی۔

"جان مت جلاؤ میری۔"

"یار میں تو تعریف کر رہا ہوں۔"

"نہیں ضرورت مجھے تمہاری تعریفوں کی۔"

"اوکے...... پھر تنقید کر دیتا ہوں، کروں؟ روؤ گی تو نہیں...؟" وہ بہت شریر سے لہجے میں پوچھ رہا تھا اور اس نے چڑ کر ہاتھ کا چمچہ اسے کھینچ مارا مگر وہ جھکائی دے کر صاف بچ گیا۔

"جتنا اترانا ہے اترا لو، ایک بار آنٹی آجائیں پھر میں دیکھ لوں گی۔"

"تم اس خوش فہمی میں مت رہو، آنٹی ابھی نہیں آنے

غزل

ڈاکٹر شفیق عظمی

شاخ پھل لائیگی اور سایہ گھنا ہو جائیگا
ایک دن یہ ننھا سا پودا بڑا ہو جائیگا

اور ہی کچھ ہوں گے تب اس شہر کے نقش و نگار
جب یہاں کا آدمی درد آشنا ہو جائیگا

ایک پل مانوس نظروں سے اگر دیکھے گا بھی
دوسرے ہی پل میں وہ نا آشنا ہو جائیگا

دائرے میں ذات کے ہوگا اگر یوں ہی اسیر
ایک دن یہ آدمی بے دست و پا ہو جائیگا

کیا خبر تھی اتنی بڑھ جائے گی وسعت رات کی
اور دن کا تنگ ہم پہ دائرہ ہو جائیگا

اس کے آنے کا یقیں ہو جائے جس لمحہ شفیق
میری آنکھوں میں ہر اک منظر نیا ہو جائیگا

والی یہاں کیونکہ آج ہی آفس میں فون آیا تھا ان کا اور میں نے ان سے کہہ دیا کہ مظفر اینڈ سنز زوہا مظفر اپنی ساری پراپرٹی بیچ باچ کر انڈیا سے کہیں اور چلے گئے ہیں۔" بڑے اطمینان سے بتا رہا تھا۔

http://famousurdunovels.blogspot.com/

"تم اتنے کمینے ہو گے میں نے سوچا نہیں تھا۔" وہ اسے گھور کر بولی۔

"یار ابھی تو کمینہ پن میں نے دکھایا ہی نہیں۔ دکھا دوں گا تو پتہ نہیں کیا ہو گی۔" وہ بس رہا تھا وہ خفا ہوتے ہوتے کوئی خیال آیا تھا اسے جب ہی تو قدرے مسکرا کر کہنے لگی تھی۔

"وہ فرمین کوکنگ کلاس بھی چلاتی ہے۔ میں وہی جوائن کر لیتی ہوں، اسے گھر آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی پھر۔"

"ڈونٹ وری میری جان... تم گھر پر ہی کوکنگ سیکھو، کلاس جوائن کرنے کی بات سوچنا بھی مت۔"

"کیوں نہ سوچوں بتاؤ۔"

"یار وہ میں تمہیں کلاس جوائن کرنے دوں گا تو تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔ مجھے پھر ایک باڈی گارڈ کا انتظام کرنا پڑے گا تمہارے لیے تو مجھے نہیں لگتا کلاس کے سوا کہیں اور جانے دے اور تمہاری اطلاع میں باڈی گارڈ افورڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اس لیے بیٹر وائف تم گھر پر ہی سیکھو۔" وہ بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا اور وہ جل کر رہ گئی تھی۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ میں بہت زیادہ دیر تک تمہاری اس قید میں رہوں گی۔ نہ تو تمہارا خدائی فوجدار میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے نہ ہی گھر کے اطراف کی باؤنڈری وال..... میں جب چاہوں گی پھاند کر بھاگ جاؤں گی۔ سمجھے تم۔" وہ ڈانٹ رہی تھی۔

"مرنا ہے تو دیوار ضرور پھاندنا میں نہیں روکوں گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا ہاں..... تم یہ مت سمجھو کہ پانچ فٹ کی دیوار اور اس پر لگے دو فٹ اونچے تار کانٹوں کو پھاند نہیں سکوں گی۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اسکول لائف میں میں نے ہائی جمپنگ کے کئی انعامات حاصل کیے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے جان اب جا کر موت کا انعام بھی حاصل کر لینا اور یہ مذاق نہیں ہے سمجھیں۔ تار کانٹوں میں میں نے الیکٹرک کرنٹ کا انتظام کر رکھا ہے۔ تم دیوار تک پہنچو گی اور چوکیدار سوئچ آن کر دے گا۔ میرا کام بتانا تھا سو بتا دیا پھر بھی تم مرنا چاہتی ہو تو شوق سے جاؤ۔" وہ مسکراتا ہوا بات ختم کر کے کھانا کھانے لگا تھا۔

"تمہاری اس دھمکی سے میں ڈرنے والی نہیں۔ سمجھے تم۔"

"مت ڈرو..... چاہو تو کوشش کر کے دیکھ لو۔" اس نے مسکرا کر مزید ڈرایا تھا۔

"ضرور دیکھوں گی۔" وہ پیر پٹختی ہوئی چلی گئی تھی۔

لاؤنج سے اسٹول اٹھایا تھا اور باہر نکل کر باؤنڈری وال کے پاس رکھ کر اس پر کھڑی ہوئی پھر ہاتھ بڑھا کر کانٹوں کی طرف بڑھاتے بڑھاتے وہ ایک دم رک گئی تھی۔

"کمینے آدمی سچ ہی کہہ رہا ہو کہیں۔" پل بھر کو خیال آیا تھا جس کی صداقت کو پرکھنے کے لیے اس نے احتیاط سے تار کانٹوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک انگلی سے چھونے کی کوشش کی تھی اور انگلی ہی نہیں بلکہ پورے ہاتھ کو کافی زور کا جھٹکا لگا تھا۔

"اوئی..... یہ دو ٹکے کا آدمی سچ میں بہت کمینہ ہے۔" وہ چھلانگ مار کے اسٹول سے اتری اور گیٹ تک آ کر چوکیدار پر بگڑنے لگی۔

"اے چوکیدار کے بچے..... سوئچ کیوں آن کیا تم نے ہاں۔"

"یہی حکم ہے بی بی صاحب..... نہ مانوں تو نوکری جائے۔" وہ بولا تھا۔

"کمینے آدمی کا کمینہ نوکر۔" وہ اسے گھورتی ہوئی پلٹ گئی۔ برآمدے میں آئی تو مزید جل کر رہ گئی۔ وہ ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑا دانت نکال رہا تھا۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گی۔" وہ اسے مارنے لپکی۔ "مجھے تو تم دیکھ لو گی۔ اندر چل کر جی بھر کے دیکھ لینا میری جان۔" اس نے ہنستے ہوئے بات کاٹ کر اس کی کلائیاں پکڑ لی تھیں۔ "زور کا جھٹکا دھیرے سے لگا؟" شوخی سے پوچھتا ہوا وہ اسے اور بھی زہر لگا تھا۔

"تم مرو گے کب دو ٹکے کے آدمی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"جب تم مرو گی، یہی روز دعا مانگا کرتا ہوں کہ پروردگار مجھے میری جان کے ساتھ ہی اپنے پاس بلانا۔" وہ ہنستا ہوا اسے بازو کے گھیرے میں لیے بیڈروم میں لے گیا۔

تھا۔
"محبت ہے، روحم۔"
"تو تم ابھی بن جاؤ ناں جان..... آرام سے گزر جائے گی زندگی۔"
"آرام سے تو میں تمہیں مرنے نہ دوں جینے کی کیا بات ہے۔" وہ اس کے سینے پر مکے برسانے لگی۔
"تمہیں تو بڑے آرام سے ہوں یار ہے آرا ہی ہے تو تم دو چار ہو فضول کی ضدیں کر کرکے۔" دفعتاً وہ سنجیدگی سے کہنے لگا تھا۔ "دیکھو جب شادی کرلی ہے تو اسے نبھانا بھی سیکھو جلتے کڑھتے ہوئے روتے دھوتے نہیں بلکہ ہنستے مسکراتے ہوئے، خوش رہوگی تو تمہارا ہی فائدہ ہے جلتی کڑھتی رہوگی تو اس میں نقصان تمہارا ہی ہے میرا کچھ نہیں بگڑنے والا۔"
"پتہ ہوتا کہ تم اتنے گھٹیا ہو تو میں کرتی ہی نہیں شادی۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی تھی۔
"اچھا پھر وہ تمہارے پاپا کی نصف جائیداد کا کیا ہوتا، یونہی چھوڑ دیتیں میرے بھتیجے کے لیے۔"
"ہاں چھوڑ دیتی۔ جائیداد کی پڑی کس کو تھی۔"
"ایں! تو پھر تم نے مجھ سے شادی کی کیوں؟" وہ انجان بنا پوچھنے لگا۔
"اپنی جان جلانے کے لیے۔" وہ چڑ گئی۔
"اوہو۔" وہ ہنستا ہوا جھکا اس پر۔
"چھوڑو بالکل بھی اچھے نہیں لگتے ہو تم پیار جتاتے ہوئے دو ٹکے کے آدمی۔" وہ ایک دم ہی اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر رخ موڑ گئی تھی۔
"یار احسان مانو کہ پیار جتاتا ہوں۔ نفرتیں جتانے لگا تو کیا کرو گی پھر؟" اس نے ہنستے ہوئے اسے اپنی جانب تھام لیا تھا۔
"اب ہی کیا کرسکتی ہوں جو بعد میں کرسکوں گی کچھ۔" وہ ناراضی سے بولی۔
"بس یہ سولہ آنے کی بات کی ہے تم نے کر ہی کیا سکتی ہو۔ صرف وہی جو میں چاہوں۔" وہ ہنوز ہنس رہا تھا۔
"تو کیے جاؤ ناں جان کیوں جلاتے ہو میری..... دو ٹکے کے آدمی تمہیں تو میں گالیاں دے دے کر بھی عاجز آگئی۔"
"اسی لیے تو کہتا ہوں میری جان کہ خاموش رہا کرو۔ تمہاری گالیوں کا تمہاری حرکتوں کا مجھ پر کوئی اثر ہونے سے تو رہا۔" وہ مسکراتا ہوا اس پر جھکتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فرزین بلا ناغہ آرہی تھی اسے آرگنگ سکھانے..... ہر روز وہ تین گھنٹے اس کے ساتھ آفس میں لگی رہتی تھی ابتداء میں تو بہت جھنجلائی تھی مگر پھر بادل نخواستہ سیکھنے لگی تھی کہ منصور احمد کے تیوروں نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے آرگنگ سیکھنی ہی ہوگی اور جب سیکھنا ہی مقدر ٹھہرا تو خوشی سے سیکھ لیا جائے جل کڑھ کر اپنا ہی خون کیوں جلایا جائے۔
"فرزین..... میرا ایک کام کروگی؟" ایک روز اسے خیال آیا کہ وہ آفس کا کوئی کام تو نہیں کرسکتی، لیٹر پوسٹ نہیں کرسکتی تو یہی کام کیوں نہ فرزین سے کرالیا جائے کہ چوکیدار سے بھی کہہ کے ہاری تھی مگر وہ اپنے مالک کا وفادار نوکر اس کا لیٹر پوسٹ کرنے پر آمادہ نہ ہوا تھا۔
"جی کہیے؟" فرزین پوچھنے لگی۔
"میرا ایک خط پوسٹ کروگی؟" وہ بولی۔
"آئی ایم سوری میم..... یہ میرا کام نہیں ہے۔"
فرزین نے متانت سے انکار کردیا تھا۔
"سر مجھے آپ کو آرگنگ سکھانے کی سیلری دیتے ہیں بس میں وہی جانتی ہوں میرا اور کوئی کام نہیں کرسکتی، آئی ایم سوری۔"
"کون سا کام تو بڑا ہے نہیں جو تم یوں کہہ رہی ہو۔" اسے غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کرگئی۔
"پھر بھی میم آئی ایم سوری میں نے سر سے پرامس کیا تھا اسے توڑ نہیں سکتی۔ ویسے بھی انہوں نے بہت مشکل وقت میں میری مدد کی ہے۔ میں ان کے ساتھ کوئی چیٹنگ نہیں کرسکتی۔"
"ہونہہ..... وہ کتنا کمینہ آدمی ہے تم نہیں جانتی ہو۔" وہ جل کر بولی۔
"وہ چاہے جیسے ہوں میم یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں میرا جو کام ہے میں بس وہی کروں گی۔" فرزین کے صاف جواب پر وہ کھول کر رہ گئی۔

تھی۔ کچھ بولی تو نہیں تھی البتہ کھولتے ہوئے سوچا ضرور تھا
کہ
"وہ گھٹیا سا آدمی جیسا چھچھورا خود ہے نوکر بھی ایسے ہی چھانٹ چھانٹ کر لاتا ہے۔"

"سر میرے خیال سے آپ کی مسز کوکنگ میں ماسٹر ہو چکی ہیں۔ اب میری کوئی ضرورت نہیں رہی۔" تقریباً چار ماہ تک اسے ٹریننگ دینے کے بعد ایک روز فرحین اس سے کہنے لگی تھی جو چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے گھر میں ہی تھا ورنہ فرحین روز اس سے آ گئی تھی اس وقت وہ آفس جا چکا ہوتا تھا۔

"اوکے...... پھر آپ کل آفس میں کیشیئر سے اپنی سیلری لے لیجیے گا۔ کچھ اور بھی دے دوں؟" وہ کچھ رک کر پوچھنے لگا۔

"نو سر...... میں کل لے لوں گی اور تھینک یو سر آپ نے برے وقت میں ساتھ دیا، ورنہ میں نہیں جانتی کیا کرتی۔" کہتے فرحین کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"اٹس اوکے مس فرحین میں آپ کے کام آیا تو آپ بھی تو میرے کام آ گئی ہیں۔" کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے چلا گیا تھا۔

"اوکے میم، میں چلوں۔" فرحین نے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا جو قدرے حیران سی بیٹھی تھی۔

"اگر تم برا نہ مانو تو پوچھ سکتی ہوں کہ کس کڑے وقت میں منصور تمہارے کام آیا۔" وہ پوچھنے لگی۔

"جی میم...... میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔" فرحین کہنے لگی۔ "میں سر کی فرم میں ٹائپسٹ ہوں میم...... اپنے کنبے کی واحد کفیل ہوں۔ امی کے علاج کے لیے کچھ رقم درکار تھی، میں نے کمپنی سے لون لینا چاہا تو سر نے مجھے اس جاب کی آفر دی کہ اگر میں آپ کو کوکنگ سکھا دوں تو وہ مجھے میری مطلوبہ رقم دیں گے، لون لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ میم آپ کے ہزبینڈ بہت اچھے ہیں، فی زمانہ کم ہی ملتے ہیں ایسے انسان آپ لکی ہیں۔ میم جو وہ آپ کو ملے۔" فرحین بات ختم کر کے مسکرائی تھی پھر خدا حافظ کہتی ہوئی چلی گئی تھی۔

"ویسے اتنا برا بھی نہیں ہے۔ بس میری ہی جان جلائے رہتا ہے۔" وہ سوچتی مسکراتی بیڈ روم میں چلی آئی۔ پرنیم دراز اخبار دیکھنے میں محو تھا۔ وہ پاس جا کر کھڑی ہو گئی کر جانے کیوں فرحین سے اس کی تعریف سن کر اچھا لگا تھا جب ہی تو چپ چاپ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"یار بات کیا ہے۔ اتنے پیار سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ اخبار رکھتا ہوا سیدھا ہو بیٹھا۔

"نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟"

"ارادہ ہو بھی تو کیا کر سکتی ہوں۔ تم نظر کیوں ہونے لگے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"اوہو۔" وہ محظوظ ہو کر ہنسا۔ "خیریت تو ہے اتنا پیار کیوں انڈیلا جا رہا ہے مجھ غریب پر۔"

"کوئی پیار ویار نہیں اندر ہی اندر غصہ آ رہا ہے۔" اسے گھور کر بولی۔

"تمہیں مجھ پر غصہ کب نہیں آتا ہے بیتا......"

"تم نے بچی بہت کہنے ہو وہ گھٹیا سے آدمی کے ساتھ بھلائی کرتے ہو مگر اپنی بیوی کے ساتھ......"

"یار بیوی سے بھلائی نہیں محبت کی جاتی ہے جی ہوں۔" وہ کہہ کر مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔

"ہاں...... جانتی ہوں کیسی محبت کرتے ہو۔" وہ بیٹھ کر اٹھ گئی تھی مگر اس نے ہاتھ تھام کر بٹھا لیا۔

"یار بیٹھو نا......" وہ ایسی مسکراتی صورت بھی کہ سدا الجھی الجھی رہتی ہو۔ آج ذرا [illegible] ہو تو جی بھر کر دیکھنے تو دو پھر جانے کب نصیب ہو۔" اس کے دیکھتے ہوئے وہ شریر ہوا تھا۔

"چھوڑو...... کیا بکتا ہے۔" وہ غصہ کر گئی۔

"خالص بیوی والا غصہ ہے یار مزہ آ گیا۔" وہ مزید شوخ ہوا۔

"چھٹی کا دن ہے یار بس میرے پاس بیٹھو میں تمہیں دیکھتا رہوں اور......"

"اور بھوک لگے تو مجھے ہی کھا جاؤ...... اچھا۔" گھور کر بولی۔

"کھا تو جاؤں یار مگر خدشہ ہے کہ ہضم نہیں ہو گا۔" وہ لب دبا کر مسکرایا۔

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com/

"جی...... بہت ہی کمینے ہو تم۔" وہ اسے پرے دھکیل کر چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

فرحین نے آنا بند کر دیا تھا اور چونکہ وہ ماہر ہو چکی تھی اس لیے کھانے پکانے میں اب اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی مگر بعض اوقات وہ چڑ کر اتر جاتی تھی اس روز بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اسے ساری رعایتیں دینے کو تیار تھا مگر آنٹی سے اس کا رابطہ کسی طور بھی ہونے نہیں دے رہا تھا اور اس روز وہ اس سے اسی بات پر الجھ پڑی تھی۔

"زوفا میری جان جب وقت آئے گا تب تمہیں یہ رعایت بھی مل جائے گی۔" وہ کہہ کر آفس چلا گیا تھا اور وہ زور زور سے اسے گالیاں دیتی رہی تھی۔ دوپہر کو تو وہ کھانے کے لیے نہیں آتا تھا مگر رات کا کھانا اسی کے ساتھ کھاتا تھا اور چونکہ اسے اس روز اس پر بڑا تاؤ آیا تھا اس لیے اس روز رات کا کھانا بنایا تو اپنے لیے الگ سے نکال کر رکھ لیا اور باقی کے کھانے میں ڈھیروں نمک اور مرچیں بھر دیں۔

"یاد رکھو گے تم بھی۔" بہت دنوں بعد اسے خوش ہونے کا موقع ملا تھا سو جی بھر کر مسکرا رہی تھی اور جب وہ کھانے کے لیے ٹیبل تک آیا تو بغیر کوئی بحث کیے جلدی سے کھانا ٹیبل پر سجا دیا تھا۔

"کیا بات ہے بہت مسکرا رہی ہو آج۔" وہ پوچھتا ہوا بیٹھ گیا تھا۔

"تم کھانا کھاؤ...... میں مسکراؤں یا روؤں تمہیں کیا۔" وہ بولی تھی مگر مسکرا کر ہمیشہ کی طرح جل کر نہیں۔

"تم کھاؤ گی نہیں؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا تو وہ اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا پھر سالن بھی نکال لیا اور پہلا لقمہ جوں ہی منہ میں رکھا تو اس کی مسکراہٹوں کا مطلب سمجھ میں آ گیا تھا پھر جیسے تیسے وہ لقمہ حلق سے اتار کر پانی پینے کے بعد کہنے لگا تھا۔

"زوفا میری جان...... تم یوں ہی خوش رہنے کا وعدہ کرو تو میں عمر بھر ایسے بہترین کھانے کھا سکتا ہوں۔" وہ بولا تھا اور اس کی مسکراہٹیں پل میں کافور ہو چکی تھیں کہ اسے زچ کرنے کا یہ حربہ بھی بے کار گیا تھا کہ وہ تو بڑے سکون سے کھانا کھانے لگا تھا۔ پہلے لقمہ پر ضرور اس کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے مگر اس کے بعد وہ اطمینان سے کھاتا گیا تھا۔

"ٹھیک کہا تھا...... تھوڑا سا اور دو دن دیتیں تو اچھا ہوتا۔" وہ نیپکین سے ہاتھ پونچھتا ہوا کہہ کر چلا گیا تھا۔

"یہ آدمی مجھے ہی کیوں زچ کرنے پر تلا رہتا ہے۔" وہ بھی جلتی کڑھتی خود بھی کھانے بیٹھ گئی تھی۔ اور جب برتن دھو کر رکھنے کے بعد بیڈ روم میں آ گئی تو دیکھا وہ بڑے آرام سے بیڈ پر لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا وہ آ کر بیٹھی تو وہ ٹی وی آف کرتا ہوا کہنے لگا۔

"یار کمرے میں کتنی دھول مٹی جمع ہے۔ صفائی نہیں کرتی ہو؟"

"میں کیوں کروں صفائی؟" جان تو پہلے ہی جل رہی تھی اب مزید جل گئی۔

"اب کیوں کا کیا سوال یار۔ تمہارا گھر ہے تم صاف ستھرا نہیں رکھو گی تو اور کون رکھے گا۔"

"گھر تو تمہارا بھی ہے۔ تم ہی رکھو صاف ستھرا۔" وہ چیخ اٹھی۔

"یار میں گھر کی صاف صفائی کروں یا تمہیں کما کر کھلاؤں؟" وہ کہہ کر مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔

"کیا کھلاتے ہو مجھے...... بتاؤ۔"

"کیا نہیں کھلاتا ہوں تم بتاؤ۔ جو جو کہتی ہو سب تو لا کر دیتا ہوں۔ ساری چیزیں کچن میں جمع کر رکھی ہیں پھر بھی تمہیں کم لگتی ہیں تو جو ہو سکے کھانا بھی کھلا دیا کروں۔" وہ اسے جلائے ہی جا رہا تھا۔

"بس ضرورت نہیں ہے تمہیں کہنے کی۔"

"خیر یار... تم بھی بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔ میں صفائی کی بات کر رہا تھا۔ تمہارا گھر ہے، تمہیں ہی صاف ستھرا رکھنا پڑے گا۔"

"میں نہیں کروں گی یہ ماسیوں والے کام۔"

"تو مت کرو...... میرا کیا ہے میں تو 24 میں سے 10 گھنٹے گھر سے باہر گزارتا ہوں۔ تم ہی رہتی ہو یہاں سارا وقت مت کرو صفائی، جمنے دو دھول مٹی، پھیلنے دو بیماریاں میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا البتہ تمہیں ٹی۔ بی ضرور ہو جائے گی، ایک تو ویسے ہی جلتی کڑھتی رہتی ہو دوسرے صفائی کا

خیال نہیں رکھو گی تو۔ بی پی تو ضرور ہو جائے گی۔ تمہیں اور اگر ہو گئی تو پہلے ہی کہہ رہا ہوں تمہارا علاج تو میں بالکل بھی نہیں کراؤں گا۔ کسی طرح مرتی رہو، میری جان چھوٹے۔" وہ کہہ رہا تھا اور وہ چڑ کر اس کا بازو دبوچے گئی۔

"تم مجھے چین سے جینے کیوں نہیں دیتے ہو؟"

"تو میں نے کیا کیا..... مارتا پیٹتا ہوں، فاقہ کراتا ہوں جو تم چین سے جی نہیں سکتیں۔" اب وہ ہنس رہا تھا۔

"جان تو جلا رہے ہو ناں میری۔" اسے رونا آ گیا۔

"تم خود جلتی ہو میری جان۔" اس نے کہتے ہوئے اسے خود سے لگایا تھا۔ "جب گھر داری ہی مقدر ٹھہرا تو خوشی سے کرو ناں یار..... میں تو نہیں آیا تھا تمہارے پاس یہ کہنے کہ مجھ سے شادی کرو، تم ہی آئی تھیں اور اب جب شادی کر لی ہے تو اسے نبھاؤ۔ جل جل کر اور رو رو کر نہیں بلکہ خوش ہو کر ہنستے ہوئے سمجھیں یو نو گی۔"

"ہاں بے وقوف ہی تو ہوں جو دوڑی آئی تھی شادی کرنے وہ بھی تم سے۔" آنسو بہنے لگے تھے وہ رو کے آئی۔

"آئی ہیٹ یو..... آئی ہیٹ یو۔"

"بٹ آئی لو یو..... آئی لو یو سو مچ میری جان۔" اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہاں جب ہی اتنی جان جلا رہی ہے میری۔" وہ اسے دھکیل کر پرے ہو گئی۔ "کچن کے کام میں نے کبھی کیے تھے تم نے مجھ سے کروائے۔ کپڑے میں نے کبھی نہیں دھوئے تم نے دھلوائے۔ اور اب صاف صفائی بھی..... میرا بس چلے ناں تو تمہیں مار ہی ڈالوں۔"

"تو مار ڈالو ناں..... آؤ دبا دو گردن، پر اس کوئی مزاحمت نہیں کروں گا ایک دم شرافت سے مر جاؤں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ "یہ ساری زیادتیاں جو تم نے گنوائیں کبھی سنجیدگی سے سوچنا ان کے بارے میں کہ کیا واقعی یہ زیادتیاں ہیں؟"

"بس کوئی ضرورت نہیں ہے لیکچر دینے کی خود کرنا پڑے ناں تب سمجھ میں آئے۔"

"یار تم بھی ایک ہی ہو اپنی طرز کی۔" وہ طویل سانس لے کر رہ گیا تھا۔

"مجھے پاپا کے گھر جانا ہے۔" کتنی ہی دیر بعد وہ بولی تھی۔

"کیوں..... آئی مین پاپا تو ہاسپٹل میں ہیں، گھر جا کر کیا کرو گی؟"

"مجھے اپنے کپڑے لینے ہیں۔"

"کیوں..... یہاں کپڑوں کی کمی ہے؟"

"میں بور ہو گئی ایسے کپڑے پہن پہن کر۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"اچھا جی..... وہ گیارہ گیارہ انچ والے کپڑے پہن کر بور نہیں ہوتیں آپ۔" وہ طنز کر رہا تھا۔

"میں جو چاہے کپڑے پہنوں تم سے مطلب۔" وہ جل گئی۔

"مجھ ہی سے تو مطلب ہے یار..... بیوی ہو میری علاوہ عام نہیں کرتے کہ تم کم کپڑوں میں تم پر ہر ایرا غیرا نظریں ڈالتا رہے۔"

"ہونہہ..... نظریں ڈالتا ہے کب نکلنے دیتے ہو مجھے باہر جانے۔" وہ اور بھی جلی۔

"اب جھوٹ تو مت بولو۔ ہر دوسرے دن تمہیں میکے لے جاتا ہوں یا نہیں۔" وہ کہہ کر مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔

"احسان کرتے ہو ناں۔"

"بس..... احسان ہی ہے اگر غور کرو تو۔"

"تم مجھے پاپا کے گھر لے چلتے ہو یا نہیں۔" وہ چڑ کر چلائی۔

"اس وقت تو رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ صبح چلیں گے۔"

"مجھے ابھی جانا ہے۔" وہ اڑ گئی۔

"تو جاؤ ناں۔" وہ کہہ کر دوبارہ لیٹ گیا تھا۔

"کیسے جاؤں وہ خدائی فوجدار جو کھڑا کر رکھا ہے۔"

"یار جب تم مجھے زچ کرنے کے سیکڑوں طریقے ڈھونڈ سکتی ہو تو ایک بے چارہ سا چوکیدار کیا چیز ہے۔" وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "جاؤ اسے ہٹاؤ گیٹ پر سے نہ ہٹے تو چیخو چلاؤ..... یونہی ڈر جائے گا غریب۔"

"ہاں..... چیخوں چلاؤں تا کہ پاس پڑوس کے لوگ سچ مچ پاگل سمجھیں مجھے۔" اس نے چڑ کر اس کا بازو دبوچا۔

"وہ تو اب بھی سمجھتے ہیں یار۔" وہ ہنس دیا۔ "خیر چلو

"سوجاؤ اب صبح چلیں گے پاپا کے گھر۔" اس نے کہہ کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"میں بھی دیکھوں گی کیسے سوتے ہو تم۔" اس نے ریموٹ اٹھا کر فل والیوم میں ٹی وی آن کرلیا تھا۔

"ردا میری جان...... اطلاعاً عرض کردوں کہ میں پہلے جس مکان میں رہتا تھا اس کے دو طرف میں ورکشاپ بنی تھی۔ چوبیس گھنٹے شور رہتا تھا اور میں اس شور میں سو جایا کرتا تھا بہت سکون سے۔ عیاشیاں تو اب نصیب ہوئی ہیں گھر میں اپنے برے دن بھولا نہیں ہوں۔ کہنے کا مطلب ہے کہ تم بھی نہیں لاؤنج کا وی سی آر فل والیوم میں چلا دو۔ میں تو سو ہی جاؤں گا۔ خون صرف تمہارا جلے گا۔" آنکھوں پہ بازو رکھے وہ بہت آرام سے کہہ رہا تھا۔

وہ جل کر بہت بگڑی۔ وی سی آر کا والیوم کم کیا اور جب کافی دیر بعد مڑ کر دیکھا تو وہ بے خبری کی نیند میں مست دیکھ کر وہ بھی چونک گئی تھی۔ ٹی وی آف کرکے سوچنے لگی ہوا تھا جو اس کی جان جلا کر خود مزے سے سو رہا تھا۔

"کسی دن محبت بھی کرلیا کرو ردا۔" کروٹ بدلتے ہوئے وہ بڑبڑایا تھا۔

"ہنہ محبت اور تم جیسے وہ گئے کے آگے سے جاہل۔"

وہ اس کی پشت کو گھورتی ہوئی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بھی خود سے تو کبھی اس کے کہنے پر اسے آؤٹنگ کے لیے لے جاتا تھا۔ شاپنگ بھی کئی بار کرائی تھی۔ ہاں بس آنٹی سے اس کا رابطہ نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اس روز اس نے آنٹی کے نام تفصیلی خط لکھا تھا اور اسے لے کر گیٹ تک چلی آئی تھی۔

"مجھے لیٹر پوسٹ کرنا ہے تم تو کرو گے نہیں اس لیے مجھے جانے دو۔" وہ چوکیدار سے کہنے لگی۔

"جی بی بی میں آپ کا یہ کام کرسکتا ہوں ورنہ آپ کو باہر جانے دے سکتا ہوں۔" چوکیدار بہت ادب سے مخاطب ہوتا تھا ہر بار اور وہ جل کر رہ جاتی تھی۔ سو اب بھی جلی تھی۔

"تم بتا دو کہ تم کر کیا سکتے ہو؟" وہ گرم ہوگئی۔

"بس اتنا کرسکتا ہوں بی بی کہ آپ اس کام کے لیے

ماں

☆ جس گھر میں تعلیم یافتہ اور نیک ماں ہوتی ہے وہ گھر انسانیت اور تہذیب کی یونیورسٹی ہے۔

(فریڈرک)

☆ باپ بے اعتنائی کرسکتا ہے، بھائی دشمن بن سکتا ہے، زن و شوہر میں عداوت ہوسکتی ہے لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں آسکتا۔

(ارون)

(سائرہ اقبال۔ دہلی)

چڑھی کی مدد سے لکھیں۔"

"ٹھیک...... تو پھر گیٹ کھولو میں کسی کو دے دیتی ہوں وہ پوسٹ کردے گا۔"

"گیٹ تو نہیں کھول سکتا بی بی آپ دیوار کے پاس جاکر کسی کو آواز دے سکتی ہیں۔"

"ہاں...... میں دیوار کے پاس جاؤں اور تم سوئچ آن کرکے تاروں میں کرنٹ چھوڑ دو۔"

"اچھا......" وہ اور بھی چڑ گئی۔

"ایسا نہیں کروں گا بی بی۔" وہ بولا۔ "صاحب نے صرف اسی وقت سوئچ آن کرنے کو کہا ہے جب کہ آپ دیوار پھلانگنے کی کوشش کریں۔"

"ہنہ...... تمہارے صاحب کی تو میں......" وہ اسے گھورتی ہوئی پلٹ گئی تھی۔ باؤنڈری وال کے پاس اسٹول رکھ کر وہ اس پر کھڑی ہوئی تھی اور بازو والے بنگلے کے لان میں دیکھنے لگی تھی۔ وہاں نظر آنے والے آٹھ دس سالہ بچوں کو آوازیں دے کر بلایا تھا۔

"جی آنٹی۔" دونوں بچے دوڑے آئے تھے۔

"میرا ایک کام کرو گے...... یہ میرا......" وہ کہہ بھی پائی تھی کہ اچانک دائیں طرف سے ایک عورت آگئی

دونوں پھولوں کو بے دردی سے کھینچنے لگی اور کمرے ہی توڑ کر وہ نظروں
سے جاتے دیکھ رہا تھا کہ وہ عمل کر رہی تھی۔
"تمہیں اس نے سچ مچ مجھے پاگل مشہور کر رکھا ہے؟"
غیض کے مارے اس کا برا حال تھا۔ اسٹول سے اترتے
ہوئے اس نے زور دار لات ماری تھی اور اسٹول دور جا پڑا
تھا۔ آگے بڑھ کر وہ گملوں کی جھاڑیوں پر ٹوٹ پڑی تھی۔ گملے
گملے خوبصورت پھول ہوا کے دوش پر لہراتے اسے اپنا مذاق
اڑاتے محسوس ہوئے تھے اور اس نے پھولوں کو نوچنا کھسوٹنا
شروع کر دیا تھا۔ پھولوں کے ساتھ لگے کانٹوں نے اس
کے ہاتھ لہولہان کر ڈالے تھے مگر اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا
تھا۔ جنونی سے انداز میں وہ پھولوں کو توڑے چلی جا رہی تھی۔
اسی وقت منصور کی کار گیٹ سے داخل ہوئی تھی اور اسے
جنونی حالت میں پا کر وہ کار کو گیٹ پر ہی چھوڑ کر
تیزی سے اس کی جانب دوڑا آیا تھا۔ "زوفا... پاگل
ہوئی ہو؟ کیا تماشا بنا رکھا ہے تم نے ہاتھوں سے
چلو۔"
"ہٹو... ہٹو..." اس نے کہتے ہوئے اسے دھکا
دے کر پرے کیا تھا۔
"ہاں... ہاں پاگل ہو گئی ہوں میں... مر جانا چاہتی
ہوں میں۔" پھولوں کو چھوڑ کر وہ اسے کھسوٹنے لگی چیخ چیخ کر
بے حال ہو رہی تھی۔
"زوفا... زوفا میری جان یوں تو نہیں کرتے
ناں۔" اسے سمیٹ کر وہ اندر لے آیا تھا۔ "کب تک خود کو
اذیتیں دیتی رہو گی پاگل لڑکی، خوشی سے جینا کب سیکھو گی
تم؟" بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ اس کے زخمی ہاتھوں کی
خراشوں سے بہنے والا خون صاف کرنے لگا تھا۔ پھر مرہم
بھی لگا دیا تھا اور اس دوران وہ چپ چاپ بیٹھی روتی ہی
رہی تھی۔
"یہ ٹیبلٹ کھا لو... تکلیف کم ہو جائے گی۔" ایک
گولی اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے پانی کا گلاس بھی اس
کے لبوں سے لگا دیا تھا۔
"پاگل سی لڑکی۔" اس کے چہرے سے پسینہ پونچھتے
ہوئے بکھری لٹیں پرے کرتے ہوئے وہ کہنے لگا تھا۔ "کیا
چاہتی ہو تم مجھ سے بتاؤ، طلاق دے دوں تمہیں؟" وہ

بہت عجیب لگی سے پوچھ رہا تھا۔
"ہاں تاکہ تم چین سے جی سکو۔" وہ سسکتی ہوئی
چلائی۔
"چین سے تو میں اب بھی جی رہا ہوں کیا بگاڑ لیا تم
نے میرا... بتاؤ۔" وہ طویل سانس لے کر مسکرایا تھا۔ "بس
خود کو ہی اذیت دیے جا رہی ہو۔ چین سے رہنا ہے تو میرے
ساتھ دل صاف کر لو میں بھی آزاد کر دوں گا تمہیں۔"
"نہیں چاہیے مجھے آزادی قید کر کے رکھو۔"
بیڑیوں کی کسر رہ گئی ہے وہ بھی ڈال دو وہ رونے لگی۔
"میں ڈالنا تو چاہتا ہوں بیڑیاں مگر محبتوں سے بنی
ہوئی۔" اسے خود سے لگاتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ "جان
ہی کیا ہو تم میری، میں پہلے سمجھا تھا کہ تمہیں چاہنے لگوں گا۔ زوفا
خوش دیکھنا چاہتا ہوں میں تمہیں مگر تم پتہ نہیں کیوں فضول
کی ضد میں پال کر بیٹھی ہو۔"
"تم بہت کمینے ہو وہ لگے کیسے آدمی... ایک تو اذیتیں
دیتے ہو اوپر سے محبتیں بھی جتاتے رہتے ہو۔"
"میں نے تمہیں کوئی اذیت نہیں دی جان تم اپنے
رویوں پر بھی تو غور کرو ذرا۔"
"ہاں میں ہی غلط ہوں۔ تم بڑے دودھ کے دھلے
ہو۔"
"یہی سمجھو لو سہی کیا تھا۔" وہ چہرے سے ہنس
دیا۔ "خیر یہ بتاؤ بے چارے پھولوں کی شامت کیوں آگئی
تھی؟"
"تم سے مطلب۔"
"مطلب ہے جب ہی تو پوچھ رہا ہوں۔ بتاؤ ناں کیا
ہوا تھا؟"
"کیا کرو گے جان کر... جان ہی جلاؤ گے ناں۔"
وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔
"میرا سر نہیں جلاؤں گا۔" وہ پھر مسکرایا تھا۔
"تم نے کیوں قید کیا ہے مجھے... کیوں آنٹی سے
بات تک کرنے نہیں دیتے۔" وہ بولی تھی اور وہ اٹھ کر چلا گیا
تھا اور جب دوبارہ کمرے میں آیا تو اس کے ہاتھ میں
موبائل فون تھا۔
"لو کر لو بات جتنی چاہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com

غزل

سیما فریدی

کب ذکر حنا کا تھا کب بات تھی مخمل کی
وارفتہ ہوائیں تھیں خوشبو مرے آنچل کی

آنکھوں میں مری آنسو یونہی تو نہیں آئے
سازش ہے کوئی اس میں پروائی کی بادل کی

سینے میں لگی تھی یہ پھیلی ہے رگ وجاں میں
سوزش ہے محبت کی یا آگ ہے جنگل کی

برسات کا موسم ہے اور اپنا وہی غم ہے
ہے بار سماعت پر آواز بھی کوئل کی

ہوتے تھے جہاں یکجا ساتھی مرے بچپن میں
تم ہو تو لے آنا وہ چھاؤں بھی پیپل کی

اے مطرب یہ چپ ہو جا کر رقص تمام اپنا
کانوں کو نہیں بھاتی آواز یہ پائل کی

مہراج کا نیلم کا اپنا ہی زمانہ تھا
اپنی ہی کہانی تھی زربفت کی مخمل کی

پردیس میں کیوں سیما گھبرائے نہ دل اپنا
نہ "تاج" یہاں اپنا گگری ہے نہ چھاگل کی

اس کی طرف بڑھایا پھر اس کے زخمی ہاتھ دیکھتا ہوا بولا۔

"فکر نہ کرو میں سارا دن آرام کرلینا تم۔" وہ کہہ رہا تھا وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "ایسے کیا دیکھ رہی ہو ڈئیر۔"

"اس مہربانی کی وجہ جان سکتی ہوں؟" نظر تھا اس پوچھی۔

"یار بیوی ہو تم میری محبت کرتا ہوں میں تم سے خوش رکھنا چاہتا ہوں میں تمہیں بس اور کیا۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ "چلو ٹھیک ہے ناں یار۔" وہ جب چپ رہی تو وہ پھر بولا اور کوشش کے باوجود آنسو اس کی آنکھوں میں آیا تو وہ جھلا کر آنکھوں سے اس کے سینے پر سر رکھ کے رو پڑی۔

"یہ حال کر دیا ہے تم نے میرا دیکھو مجھے آفس کا بھی یاد نہیں آرہا۔" وہ چلائی۔

"ریلیکس ہو جاؤ یار دماغ ٹھنڈا رکھ کر سوچو یار یہ فون رکھ دیا ہے یاد آجائے پھر تو بات کر لینا میں جا رہا ہوں۔" وہ کہتا ہوا فون اس کی گود میں ڈال کر چلا گیا وہ فون بیڈ پر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ وہیں سے غصہ اور پرے کرنے کی سعی میں لگ گئی تھی اور اس گہری نیند میں جا سوئی تھی۔ اور جب دوبارہ آنکھ کھلی تو ہو چکی تھی۔ کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں اور بیڈ پر بیٹھا کوئی فائل دیکھنے میں محو تھا۔ اسے پہلے تو سو جانے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی مگر جونہی ذہن سے پچھلی ساری باتیں یاد آگئیں اور وہ جلدی سے اٹھ

"تم نے کوئی میڈیسن کھلائی تھی مجھے؟" وہ جارحانہ میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تو... کیوں؟" وہ فائل بند کرتا ہوا قدرے ہوا تھا۔

"میں نے کہا تھی سلیپنگ پلز۔"

"سلیپنگ پلز کیوں دینے لگا میں تمہیں۔؟"

"تو پھر میں سوئی کیسے؟ تم نے نیند کی گولی ہی دی تھی کیونکہ اتنے مہربان ہو کون تمہارے ہے تھے کہ آئی کرو۔" وہ بھڑک گئی تھی۔

"میں نے تمہیں بے فکری دی تھی۔ تمہیں یقین نہیں آرہا تو میں کیا کروں فون اب بھی رکھا ہے۔ پہلے نہ کریں تو اب کرو، فضول کے واہمے مت پالو۔" وہ کہتا ہوا ایک بار پھر فائل کھول کر دیکھنے لگا تھا اور اس نے ٹیبل سے فون اٹھایا مگر ہاتھوں کی لرزش تکلیف دے رہی تھی تو اس کے منہ سے سسکی نکل گئی جسے سن کر وہ فون اس کے ہاتھ سے لے کر کہنے لگا۔ "نمبر بتاؤ میں ملا دیتا ہوں۔" وہ بولا تو اس نے نمبر بتایا اور اس نے ملا کر فون اس کے کان سے لگا دیا۔ وہ دیر تک سنتی رہی مگر بے معنی سی سرسراہٹ کے سوا کچھ اور سنائی نہ دیا۔

"کوئی جواب نہیں ہے۔" وہ بولی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ کہہ کر خود سننے لگا پھر ڈسکنیکٹ کر کے نمبر دوبارہ ملایا مگر جواب ندارد۔ بار بار کی سعی بھی ناکام ہی رہی تو وہ پوچھنے لگا۔

"نمبر ٹھیک سے یاد ہے تمہیں؟"

"ہاں میرا خیال ہے کہ آنٹی کا یہی نمبر تھا۔"

"کہیں لکھا ہو تم نے دیکھ لو ہوسکتا ہے کوئی نمبر مس ہوگیا ہو۔"

"مجھے یاد تھا اس لیے میں نے لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"نمبر درست ہے تو پھر لائن کیوں نہیں مل رہی؟"

"تمہارا فون بھی تمہاری ہی طرح دھوکے باز ہے۔" وہ چڑ گئی تھی۔

"ہوں۔" وہ بے ساختگی سے مسکرایا تھا۔ "یہ بھی تو ہوسکتا ہے آنٹی کا نمبر بدل گیا ہو۔"

"ہاں یہی ہوسکتا ہے اور تم بخوبی جانتے ہو کہ یہی بات ہے ورنہ تم کیوں اتنے مہربان ہونے لگے؟"

"یار بدگمانیاں مت پالو..... اتنا برا نہیں ہوں میں۔"

"بہت برے ہو تم۔" وہ کہنے لگی۔ "کہاں چھپا رکھا تھا فون بتاؤ۔ مجھے میں نے سب جگہ ڈھونڈ ڈالا تھا حتیٰ کہ تمہاری جیبیں تک چیک کی تھیں اکثر مگر مجھے تو نہیں ملا کہیں۔"

"فون Silent کرکے میں کار میں ہی چھوڑ کر اندر آتا تھا۔" وہ مسکرایا تھا۔

"تم کتنے کمینے آدمی ہو۔" وہ مزید چڑ گئی۔

"میں بہت اچھا آدمی ہوں یاد ہے کب ..." وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"کبھی نہیں مانوں گی۔ اچھے ہوتے تو ... نہیں مجھے۔"

"تم نے بھی تو کم نہیں ستایا مجھے نہیں مجھے ... اپنے آپ کو ہی ستاتی رہی ہو تم۔" اسے سمیٹتے ہوئے ... رہا تھا۔ "آنٹی سے صرف اس لیے تمہیں دور رکھ ... کہ رابطہ نہیں ہے تو اتنی فضول فضول سی حرکتیں کر ... مجھے عاجز کرنے کے چکر میں خود عاجز ہوئی رہتی ہو ... سے رابطہ ہوجاتا تو پتہ نہیں اور کیا کیا کرتیں۔ میرا ... نہیں مگر اب تم ہی بہکاتی ہو ... یار نجیبہ اگر اختیار کر ... میں تو خوش ہوں تم بھی رہو ناں..... نمبر میں ڈائری ... دیکھ کر بتا دوں گا تمہیں آنٹی کا نمبر پاپا کی ڈائری میں ... سکتا ہے ان کا نمبر کل آفس جاؤں گا تو دیکھوں گا ... اب کھانا کھاتے ہیں۔"

"میں نے تو کچھ بنایا بھی نہیں رات کے کھانے ... سوتی ہی رہ گئی۔" وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں لے آیا ہوں ہوٹل سے ... آج تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گا۔" وہ مسکرا ...

"کس خوشی میں؟" اس نے گھورا۔

"تمہارے ماں بننے کی خوشی میں۔" وہ بولا ...

"ہاں تمہیں تو خوشی ہی ہوگی، تکلیف جو مجھے ... ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تمہاری ہی حرکتوں کی وجہ سے تکلیف میں ہو ..." وہ کہتا ہوا اسے ڈائننگ ٹیبل تک لے آیا تھا۔ خود ... کھاتے ہوئے اسے بھی کھلاتا رہا تھا۔ بیڈروم میں واپس ... اس کے ہاتھوں پر دوبارہ مرہم لگا کر ... بھی کھلائی تھی ...

"ابھی..... ابھی تو سو کر اٹھی ہو ... اتنی جلدی تو ... نیند نہیں آئے گی تمہیں، میں سو جاؤں یا اپنے ساتھ ... مجھے بھی۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں جگاؤں گی۔"

"اوکے..... مگر میں جاگوں گا تو یونہی تو نہیں ... رہوں گا۔ کچھ نہ کچھ تو کرتا رہوں گا۔" اس کی مسکراہٹ ...

شرم تھی۔

"وہ مجھے کہے آؤ تم سو جاؤ۔ جان بہت جلدی سویری۔"

وہ مسکرا کے گھورنے لگی۔

"اچھا۔" وہ ہنستا ہوا اپنی جانب کا بیڈ لیمپ آف کر کے لیٹ گیا تھا پھر ذرا دیر بعد ہی وہ سو بھی گیا تھا اور چونکہ اسے نیند نہیں آئی تھی اس لیے بیٹھ گئی۔ وہ دیکھنے لگی مگر اس میں بھی جی نہ لگا تو آف کر کے اسے دیکھنے لگی جو بے خبر سو رہا تھا۔ "ہاں شاید تم ہی درست ہو۔ آج سے میرا رابطہ ہو جاتا تو ان کی شاپ پر تمہیں حریم زچ کرتی تمہارا تو کچھ نہیں بگڑتا، میں ہی ہلکان ہوتی رہتی۔" مجھے بھی میرے متعلق کی منصر کی بات اسے یاد آگئی تھی اور وہ سوچنے لگی تھی۔

"منصر پاپا نے ایسا کیوں کیا۔ بالکل ہی بے دست و پا کر دیا مجھے ایک دم سے بے فکر کر کے۔ پاپا تو بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے وہ ایسا کیوں کرتے۔ میری ہی غلطی تھی۔ بس اپنی مرضی کرتی اور من مانی رہی۔ پاپا کے بارے میں بھی سوچا ہی نہیں کہ ان کی کیا مرضی ہے؟" وہ پہلی بار غیر جانبداری سے اپنے رویوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اور جوں جوں سوچتی گئی اسے زیادہ تر اپنی غلطیاں نظر آتی گئیں۔ اپنی ایک ایک حرکت یاد آ رہی تھی اسے جو وہ پاپا کو ستانے کے لیے ضد میں آ کر کرتی رہتی تھی۔

"پاپا ہی کیوں میں نے تو تمہیں بھی بہت ستایا ہے۔" پاپا سے ہٹ کر اس کی سوچیں منصر کی جانب چلی گئیں۔

"تم جو محبت کرتے ہو مجھ سے، خیال رکھتے ہو میرا، مجھے کبھی میں نے اپنے رویوں پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، خود کو ہی درست مانتی رہی حالانکہ میں ہی غلط تھی۔ پاپا کی وصیت نے تو بالکل ہی بے دست و پا کر دیا تھا مجھے پھر بھی تم نے مجھ سے شادی کا انکار کر دیتے تو میں کیا بگاڑ لیتی تمہارا؟ کچھ بھی تو میرے اختیار میں نہیں تھا پھر بھی میں اڑی رہی، تمہیں پریشان کرتی رہی اور تم بھی پاپا ہی کی طرح میری ساری بدتمیزیاں برداشت کرتے رہے۔ اگر انکار کرتے تو... مجھے چھوڑ دیتے تو...؟" اس خیال کا آنا تھا کہ اسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھر کے مسل ڈالا ہو۔

"او خدا... مجھے معاف کر دینا۔ میں ہی غلط تھی ہر جگہ بھی۔ وہ مجھ سے کے آدمی تم سے معافی تو نہیں مانگوں گی مگر اپنی بدتمیزیوں سے جو کہ تمہیں پہنچاتی رہی ہوں اس کا ازالہ ضرور کروں گی۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی وہ مسکرائی بھی تو اسے دیکھتا تھا۔ بے خبری کی نیند میں غرق وہ اسے پہلی بار بہت اچھا اور اپنا اپنا سا محسوس ہوا تھا۔

"سوری... معافی نہیں مانگوں گی تم سے۔ اگر واقعی محبت کرتے ہو مجھ سے تو میرے رویوں سے ہی جان لو گے کہ میں شرمندہ ہوں اور تم میرے کہے بغیر ہی مجھے معاف کر دو گے۔" وہ پھر مسکرا دی تھی۔

"زوہا... جان کیا ہوا۔ ابھی تک جاگ رہی ہو۔" اسی پل اس کی نیند ٹوٹی تھی اور اسے بیٹھی دیکھ کر وہ بیڈ لیمپ آن کر کے پوچھتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

"ہوں... نیند نہیں آ رہی۔" وہ دھیمے سے لہجے میں بولی۔

"تکلیف ہے ہاتھوں میں۔؟" وہ پوچھنے لگا۔

"نہیں تو۔" اس کے پوچھنے پر اسے یاد آیا کہ اس کے ہاتھ زخمی ہیں، وہ تو بھول ہی گئی تھی۔

"نہیں تکلیف نہیں ہے۔ مجھے تو یاد بھی نہ رہا کہ ہاتھ زخمی ہیں۔" وہ…

"پھر نیند کیوں نہیں آ رہی۔؟"

"پتا نہیں۔"

"میں سلا دوں۔" اسے اپنی جانب کھینچتے ہوئے وہ شریر ہوا تھا اور اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ آنکھیں موندتی ہوئی اس کے کندھے پر چہرہ ٹکا گئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں۔؟" دھیمے لہجے میں وہ بولی تھی۔

"دس باتیں پوچھو جان۔" اس کے لہجے میں وہی محبتیں تھیں، وہی شدتیں تھیں جو وہ پہلے دن سے محسوس کرتی آئی تھی۔

"تم نے مجھ سے شادی کیوں کی۔ منع بھی تو کر سکتے تھے ناں۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں کر تو سکتا تھا۔"

"پھر کیوں نہیں۔"

"کیونکہ تم ابھی لگتے ہی کتنی تھیں اپنی تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود۔"

"بس صرف ابھی لگتی تھی اور کوئی بات نہیں تھی۔"

"تھیں..... اس وقت نہیں تھی مگر بعد میں ہو گئی جب نکاح نامے پر دستخط کیے تھے تب لگا کہ تم زندگی میں اب آ گئی ہو حق میں تو جانے کب سے بستی تھیں۔"

"حالانکہ میں بہت بری ہوں۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اوں..... ہوں..... ذرا سی بری ہو اور بہت سی اچھی۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"مگر تم بہت برے ہو..... مجھے رلا دیتے ہو۔" وہ کہہ کر مسکراہٹ چھپا گئی۔

"وہ تو ہوں۔" وہ پھر ہنسا تھا۔ "ویسے ایک بات بتاؤ گی؟"

"کیا؟" وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کبھی کسی رات کے اندھیرے میں تمہارا کوئی اسکریو تو نہیں کھل گیا، بڑی میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہو۔" اب وہ چھیڑ رہا تھا۔

"بس اب سو جاؤ، دو بجنے کے آئے۔" وہ اسے گھورنے لگی۔

"اوکے یار۔" وہ بستر پر لیٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح آنکھ کھلی تو وہ بہت ہشاش بشاش تھی، کیونکہ آج اتوار تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ منظر نے اس سے پہلے ہی جگا دیا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اس کی آنکھ کیسے کھلی، جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔

"مجھے جگایا کیوں نہیں؟" وہ پوچھنے لگی۔

"رات دیر تک جاگتی رہی تھیں، میں نے سوچا نیند پوری کر لو۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کرتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"بات کیا ہے کل سے بڑے مہربان ہو رہے ہو۔"

"کل کی کیا بات یار مہربان تو سدا سے رہا ہوں۔" وہ

پھر سنبھل گیا تھا اور وہ اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ نہا کر نکلی تو وہ نظر نہیں آیا مگر ایک ملازمہ نے بتایا کہ صاحب بڑی سنجیدگی سے بیٹھے کسی کام میں مصروف تھے۔

"اچھا..... کون ہو تم یہاں کیسے آئیں؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"سلام بی بی جی۔" ملازمہ نے پہلے تو سلام کیا پھر کہنے لگی۔ "صاحب جی نے کام پر لگایا ہے، بی بی آج ہی آئی ہوں۔"

"ہیں؟" وہ خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔ وہ سیدھی کچن میں گئی تو وہاں بھی ایک ملازمہ کام میں مصروف پاکر حیرت سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا ہوا؟" اس کے پیچھے منظر کی آواز آئی تھی۔

"یہ ملازمائیں؟" وہ اس کی جانب پلٹی تھی۔

"کیوں کیا ہوا..... پسند نہیں آئیں کیا؟" شرارت سے پوچھنے لگا۔

"کیوں رکھیں تم نے..... کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت کی بات ہی تو کر رہی ہو..... اب بیوی کو تو ہم سے چھپا کر تو نہیں رکھ سکتا ہوں۔"

"اچھا کیسے ہیں..... اب مہربان ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" وہ گھور کر کہنے لگی۔ "جب ضرورت تھی تب تو نہیں رکھیں اب جبکہ مجھے ضرورت نہیں ہے تو رکھ لیں۔"

"سوچتی کیا ہو۔"

"مہربان تو میں پہلے بھی تھا یار۔" وہ اسے قائل کرنے لگا تھا۔

"اس بات کو میں نے بھی محسوس کیا تھا مجھے تم سے ایسی بدتمیزی کی امید نہیں تھی۔"

"یار تم بھی عجیب ہو، میں خوش ہونا چاہیے تھا۔"

"میں تو روں گی، تم بہت برے ہو..... آدمی ہو، ستاتے ہو مجھے۔"

"محبت جو کرتا ہوں اس لیے۔" کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"نہیں چاہیے مجھے تمہاری محبت۔"

"تم زبردستی دوں گا جان۔" وہ ہنس رہا تھا۔

جانے کی تیاری میں تھا۔
"کہیں جا رہے ہو؟"
"ہاں۔"
"اتنی جلدی۔ ابھی تو آئے تھے، بس کھانا ہی کھایا ہے اور جا بھی رہے ہو۔"
"یار سچ آور میں گھر آنے کا وقت نہیں ہوتا ہے اور آج کل ویسے بھی مصروفیت زیادہ ہے۔ تم نے کہا تھا تو چلا آیا ورنہ ارادہ تو نہیں تھا۔" وہ بالوں میں جلدی جلدی برش پھیرتا ہوا کہہ رہا تھا۔
"وقت نہیں تھا تو نہیں آنا تھا منع کر دیتے مجھے۔"
"کیسے کر دیتا یار..... اتنے پیار سے کہہ رہی تھیں تم۔" وہ برش رکھ کر مسکراتا ہوا اس کے پاس آ رکا تھا۔ "یونہی رہا کرو خوش باش سی، ہنستی مسکراتی ہوئی۔ تمہیں جتا کر ہوتا ہے کہ خوش تو میں بھی کتنی ہوتا تھا جان۔"
"ہاں..... جب ہی اپنی خوشی کا اعلان کرتے رہتے تھے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔
"وہ تو اس لیے کہ تم خود کو مزید اذیت نہ دو..... یہی سوچ کر خوش رہتے ہو کہ تمہاری حرکتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں حالانکہ بار ہا بہت ہرٹ ہوا ہوں میں مگر..... خیر چھوڑو اب جاؤں۔" وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔
"نہیں..... بتاؤ مجھے۔" وہ ایک دم اس کا راستہ روک گئی تھی۔ "بتاؤ کب کب ہرٹ ہوئے تھے میری وجہ سے؟"
"چھوڑو یار..... رات گئی بات گئی۔" اس نے طویل سانس لی تھی۔
"نہیں..... بتاؤ مجھے۔" وہ اڑ گئی۔
"زونا جان..... وقت نہیں ہے، پھر کبھی بتاؤں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے دھیرے سے اس کے رخساروں کو چھوا تھا پھر بیڈ روم سے نکلتا چلا گیا تھا۔
"بات سنو ناں۔" وہ پیچھے چل پڑی۔
"ہاں کہو۔" اس نے رک کر رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
"نہیں..... جاؤ تم کوئی بات نہیں کرنی مجھے تم سے۔" وہ ایک دم ہی چڑ کر واپس پلٹ گئی تھی۔
"یار بات سنو ناں۔" وہ اس کی کلائی تھام گیا تھا۔ "ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ تمہاری بات سننے لگا تو لیٹ ہو جاؤں گا۔ سننے سے انکار تو نہیں کیا ناں، کہہ رہا ہوں ناں کہ واپس آ کر سنوں گا، پھر جتنی چاہے باتیں کر لینا یار خفا تو مت ہو۔"
"خفا نہیں ہوں میں، جاؤ تم۔" وہ مسکرائی تھی۔
"تھینکس۔" وہ کہتا ہوا چلا گیا تھا۔
"اب کہو میری جان جو کہنا ہو، جو بھی سنانا ہو۔" وہ جب وہ شام کو لوٹا تھا تو چینج کیے بغیر ہی کہتا ہوا اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے خود بھی بیٹھ گیا تھا۔
"تم پہلے چینج کرو، میں چائے لاتی ہوں۔ باتیں بھی تب ہی ہو جائیں گی۔" وہ بولی۔
"او کے۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گیا تھا۔
"اب کہو..... کیا کہنا ہے۔" اور جب وہ چائے لائی تو اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے وہ کہنے لگا تھا۔
"کچھ نہیں کہنا ہے مجھے۔"
"ہائیں! تو دوپہر میں بار بار روک کیوں رہی تھیں مجھے۔" وہ حیران ہوا۔
"اچھا نہیں لگا تمہیں میرا روکنا۔" وہ مسکرائی تھی۔
"اچھا لگا اور تم بھی اچھی لگ رہی ہو یوں بدلی بدلی سی۔ اب کب تک رہو گی اسی روپ میں؟" پوچھ کر مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔
"اگر کہوں ہمیشہ تو؟"
"تو؟" اس نے لمحہ بھر رک کر کچھ سوچا پھر قدرے شرارت سے کہنے لگا۔ "یار چھوڑ کر دیکھ لو یہ تم ہی ہو ناں؟"
"تم سچ میں بہت برے ہو دو ٹکے کے آدمی۔" وہ کھسیا کر اسے گھورنے لگی۔
"وہ تو میں ہوں، یہ بھی ہو تو تمہارے منہ سے بار بار سن کر ہو جاتا۔" وہ ہنسا۔
"بس کوئی ضرورت نہیں دانت دکھانے کی۔" اس نے منہ بنایا پھر اس کے ہاتھ سے چائے کا خالی کپ لے کر کچن کی جانب بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں پاپا کو دیکھنا چاہ رہی ہوں۔"
"ہائیں..... کیا مطلب۔" اس نے حیرت سے

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com/

ظاہر ہو گیا تو وہ واقعی چڑ گئی۔
"کس کا مطلب بتاؤں۔ پاپا کا" دیکھنے کا یا چاہنے کا۔"

"تمہیں کیا بتاؤں میں تو خود ہی حیران ہوں۔" وہ زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔ "زوہا میری جان پورے گیارہ مہینے بیت گئے ہماری شادی کو اور میں پہلی بار تمہارے منہ سے سن رہا ہوں کہ تم پاپا کو دیکھنا چاہتی ہو۔ اب تک تو میں ہی لے جاتا رہا ہوں وہ بھی زبردستی تم تو تیار ہی نہ ہوتی تھیں۔ اب اچانک خود کہہ رہی ہو تو بتاؤ میں حیران نہ ہوں تو کیا کروں؟"

"کچھ مت کرو تم..... بس بتاؤ مجھے اب لے چلو گے یا نہیں؟"

"ضرور لے چلوں گا۔ جاؤ تم جلدی سے چینج کرو۔" وہ بولا۔

"ابھی تو کیا ہے۔ بس تم چلو۔"

"نہیں یار چینج کرو۔" اس ڈریس میں بہت خاص ہی لگ رہی ہو اور جب تم خاص لگتی ہو تو پتہ ہے میرا کیا جی چاہتا ہے۔ یہی کہ بس یونہی تمہیں دیکھوں کوئی اور نہ دیکھے تمہیں میری زندگی۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھ گئی تھی پھر جوں ہی دوسرے کپڑے لے کر باتھ روم میں گئی اس نے فون اٹھا کر رضوان احمد کا نمبر ملایا تھا۔

"انکل جی..... جلدی پہنچیں۔ میں زوہا کو لے کر آرہا ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"اب وقت چاہے جو بھی ہو، یہ بکھیڑا آپ ہی نے کھڑا کیا تھا، اب بھگتیں ناں۔" دوسری جانب سے ان کی بات سن کر وہ ہنسا تھا۔

"ہاں..... اس نے خود کہا ہے۔ آپ جلدی پہنچیں، میں بھی آرہا ہوں۔" اس نے کہہ کر فون آف کر دیا تھا۔

"یار کیا مصیبت ہے۔ ہر ڈریس میں تم مجھے خاص ہی کیوں لگتی ہو؟" اور جب وہ چینج کر کے باتھ روم سے نکلی تو وہ شوخی سے کہنے لگا۔

"اب اتراؤ مت۔" وہ جھینپ کر مسکراتی ہوئی اس کے پاس آرکی تھی۔

"ویسے شرماتی ہو تو اور بھی خاص لگتی ہو۔" وہ ہنستا ہوا

غزل

عبدالمنان شاہد آکیانوی

ساتھ میرے سفر کرے کوئی
فاصلہ مختصر کرے کوئی

ہم پہ ایسی نظر کرے کوئی
دل کے رستے گزر کرے کوئی

ایک عرصے سے دل یہ ویراں ہے
دل میں میرے بھی گھر کرے کوئی

ایک مدت سے یہ تمنا ہے
[illegible] در سے گزر کرے کوئی

اکتفا صرف ایک چادر پہ
زندگی یوں بسر کرے کوئی

ایک عرصے سے ان پہ مرتا ہوں
ان کو اس کی خبر کرے کوئی

جس طرح سے کیا ہے شاہد نے
پیش ایسا ہنر کرے کوئی

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com

اس کا ہاتھ تھام کر چل دیا تھا۔ اور جب اس کے ساتھ عابد انکل کے ہاسپٹل میں پاپا تک آیا تو وہ ایک دم ہی رضوان ہمدانی کے سینے پر سر رکھتی ہوئی شدتوں سے رو پڑی تھی۔

"آئی ایم سوری پاپا...... آئی ایم سوری بہت بری ہوں میں، بہت بری۔" وہ بس یہی جملے وہ دہرا رہی تھی روتے ہوئے۔

"زوفا" اس نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا تو وہ ایک دم سیدھی ہو کر آنسو پونچھتی ہوئی کمرے سے نکل بھی گئی تھی۔

"پاپا جی...... دیکھا آپ نے کہا تھا ناں میں نے کہ، بدل گئی ہے۔ اپنے رویوں کی غلطیاں تسلیم کر چکی ہے۔ اب تو یقین کر لیں آپ اور ختم کر دیں یہ دوریاں۔" اس کے جاتے ہی وہ رضوان ہمدانی سے کہنے لگا تھا۔

"بیٹا کچھ دن اور گزرنے دو۔" وہ کچھ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھے تھے۔ "ہم نے بھی محسوس کی ہے اس کی تبدیلی اس لیے کہہ رہے ہیں کچھ دن اور گزرنے دو۔ دیکھتے ہیں اس کی اس تبدیلی کو اتنا کچھ جب ہم اسے سارے حقائق بتائیں تو وہ ضد میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔"

"اس کے باوجود وہ کوئی غلط اقدام کر گئی تب۔" اسے خدشہ لاحق تھا۔

"تم ایسی گنجائش ہی مت رکھو کہ وہ کوئی غلط قدم اٹھا سکے۔ اسے اپنا اپنی چاہتوں کا اس قدر عادی بنا دو کہ وہ تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہ کر سکے۔"

"وہ تو میں بنا چکا انکل۔" وہ زیر لب مسکرا دیا تھا۔

"پھر بھی ہم مزید اطمینان کر لینا چاہتے ہیں۔ خیر جاؤ تم دیکھو اسے کہاں گئی۔"

انہوں نے مسکرا کر اس کا رخ موڑا تو وہ خدا حافظ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا۔ "کیا ہوا...... اتنی جلدی کیوں اٹھ آئیں پاپا کے پاس سے۔" اور جب وہ کار تک آیا تو وہ اسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ملی تھی تب وہ اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کار اسٹارٹ کر کے پوچھنے لگا۔

"بس ایسے ہی۔" وہ دھیمے سے لہجے میں بولی تھی اور اس نے مزید کچھ پوچھنے کی بجائے کار آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے منتصر کی پسند کی ساڑھی زیب تن کی تھی جس سے وہ تھا تو بہت جھجک کر اس کی پذیرائی کی تھی اس نے بس ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی تھی۔ نہ تعریف کی نہ ہی کوئی شرارت...... جبکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ شادی کے بعد پہلی بار جب وہ اسے شاپنگ کے لیے لے گیا تھا تو اس کی ضد کے باوجود اس کے لیے ساڑھی خریدی تھی گہرے بلیو رنگ کی ساڑھی پر سفید موتیوں کا نفیس سا کام بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔

"یہ ساڑھی بھی لے لیتے ہیں زوفا۔" وہ بولا۔

"مجھے نہیں پسند ساڑھی واڑھی۔" وہ چڑ اٹھی۔

"مگر مجھے پسند ہے اور تمہیں یہ ساڑھی پہننا ہی ہے" بگڑ گئی۔

"پسند تمہیں ہے تو میں کیوں پہنوں تم ہی پہن لو۔" وہ چڑ گئی تھی۔

"اس لیے کہ بیوی تم ہو یار اور پہنو گی تم ہی۔"

"میں تمہیں پہنوں گی یا کرو گے تم؟" وہ بوتیک میں ہی اس سے جھگڑنے لگی تھی۔

"ابھی بتاتا ہوں کہ کیا کروں گا۔ ایکسکیوزمی مس" اس نے کہتے ہوئے سیلز گرل کو وہاں طلب کیا تھا وہ متوجہ ہوئی "دیکھئے یہ میری مسز کو ساڑھی پہننا نہیں آتا کیا آپ انہیں سکھا دیں گی۔"

"وائے ناٹ۔ ہمارے بوتیک میں چینج کرنے کی سہولت بھی ہے۔ آپ آئیے میم میرے ساتھ میں اچھی طرح سکھاتی ہوں۔" سیلز گرل بہت خوشدلی سے بولی تھی۔

"پھر آپ یہ ساڑھی انہیں پہنا دیں۔" اس نے اپنی پسند کی ساڑھی سیلز گرل کو تھمائی تو زوفا کو طوعاً کرہاً اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔

"بس یار...... اب سیدھے گھر ہی چلتے ہیں۔ اتنی حسین لگ رہی ہو اس ساڑھی میں کہ میں چاہتا نہیں کہ تمہیں میرے سوا کوئی اور بھی دیکھے۔" اور جب وہ ساڑھی پہن کر اس کے پاس آئی تو وہ شوخی سے بولا تھا اور وہ رو بھی گئی۔ پھر وہ اسے گھر لے آیا تھا۔ آتے ساتھ اس نے ساڑھی سے چھٹکارا پانا چاہا مگر منتصر نے اتارنے نہ دیا نہیں۔ دن بھر اسے اسی ساڑھی میں رہنا پڑا تھا اور اس نے

عمر کرائے جنگ کیا تھا۔ وہ چہروں گستاخیاں کی تھیں اس
ں سزاؤں کے باوجود اور آج جبکہ اس نے عرصہ بعد وہی
اڑی پہنی تھی تو وہ اسے دیکھنے کو تیار نہیں تھا اور اسے رو
گیا تھا۔

"جانے دے آپ سے؟" آنسوؤں کو ضبط کر کے وہ
پوچھ رہی تھی۔

"بعد میں۔" وہ مختصراً کہہ کر چینج کیے بغیر ہی مشروم
سے واش بیڈ اور دوسرے فریج سے نکال کر ایک گرے
یں سیٹ کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"یا اللہ اپنا بیڈروم الگ کر رہا ہے کیا؟" وہ سراسیمہ ہو
رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو [illegible]" وہ چپ رہ گئی
تھی۔

"آج رات کی فلائٹ سے [illegible] ہیں۔
ان کے لیے [illegible] کر رہا ہوں۔" اس نے [illegible] کی
جان میں جان آئی۔ "[illegible] پانچ دن رہیں گے تمہارے
ساتھ ایک ریکویسٹ ہے [illegible] میری مانو گی؟"

"کیا؟"

"یہی کہ تمہاری دشمنی مجھ سے [illegible] چاہے
بدلے لینا مجھ سے بعد میں مگر [illegible] کی موجودگی میں
پلیز کوئی ایسی ویسی حرکت مت کرنا کہ وہ سمجھنے لگیں کہ
تمہارے ساتھ خوش نہیں ہوں۔ ویسے بھی وہ میرے سے
بہت حساس رہے ہیں اور میں بھی ان پر یہ ظاہر نہیں کرنا
چاہتا کہ میں ناخوش ہوں۔ خیر ناخوش تو میں ہوں ہی نہیں
ہاں بس تمہارے رویوں سے بڑے پاپا کو غلط فہمی ہو سکتی ہے
جبکہ میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔ کیا مانو گی میری بات؟"
وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی اچھا۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرائی تھی۔

"تھینکس۔" وہ مسکرایا پھر کہنے لگا۔ "ویسے اچھی لگ
رہی ہو۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے تعریف کی۔" وہ جھینپ
گئی۔

"اوہ ہو۔" وہ ہنستا ہوا اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ بیڈ
مناسب جگہ رکھ کر اس پر گدا ڈالا تو وہ اس پر چادر ڈالنے لگی۔

اقوال زریں

☆ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے کو تنہائی محبوب ہوتی ہے۔ (حضرت عثمانؓ)

☆ محبت دور کے لوگوں کو قریب، عداوت قریب کے لوگوں کو دور کر دیتی ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆ جب محبت کامل ہو جاتی ہے تو ادب کی شرط گر جاتی ہے۔ (حضرت جنید بغدادیؒ)

☆ تکلف کی زیادتی محبت کی کمی کا باعث بن جاتی ہے۔ (امام غزالیؒ)

☆ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور تکلیف کے وقت فریاد کرے وہ محبت میں صادق نہیں سمجھا جاتا۔ (قطب الدین بختیار کاکیؒ)

☆ اے لوگو! رب دیکھتا ہے اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے اور اس کی سنو جو تمہاری سنتا ہے اور اپنا ہاتھ اسے دو جو تمہارا تھامنے کے لیے تیار ہے۔ (غوث اعظمؒ)

☆ محبت ایک ایسی چیز ہے جو سیکھنے سے اور کسی کے بتانے سے نہیں آتی۔ (حضرت معروف کرخیؒ)

☆ محبت انسانیت کا دوسرا نام ہے۔ (گوتم بدھ)

☆ اصل محبت کی مکمل تصویر ہی ہے۔ (پریم چند)

(بشریٰ باجوہ — عطاریہ)

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com

پھر اس کے ساتھ مل کر اس نے پورا گھر سیٹ کر دیا تھا۔ حالانکہ اس نے منع بھی کیا مگر وہ مانی نہیں تھی۔

"ٹھیک..... اب چاہو تو چائے پلا سکتی ہو مجھے۔" کرسی کی سیٹنگ سے فارغ ہو کر اپنے بیڈ روم میں جاتے ہوئے وہ بولا تھا۔ اور جب اس نے چائے لا کر دی تو وہ پینے کے بعد پوچھنے لگا۔

"ایک بات پوچھوں.....؟"

"ہوں۔" وہ ناسمجھی میں سر ہلا کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"یہ جو تمہارا رویہ بدلا ہے اس کی وجہ بتاؤ گی۔"

"تم بتاؤ ناں..... کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"آئی تھنک..... آنٹی نے کوئی خاص طریقہ بتا دیا ہے میرا احترام کرنے کا۔" وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

"جی نہیں..... آنٹی سے میری بات ہی نہیں ہوئی۔"

"ہیں! کیوں؟ میں نے ان کا فون نمبر تمہیں دیا تو تھا۔ پھر بات کیسے نہیں ہوئی۔" وہ حیران ہوا۔

"میں نے فون ہی نہیں کیا آنٹی کو۔"

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔"

"ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ گیا پھر پوچھنے لگا۔ "میں ایئر پورٹ جا رہا ہوں بڑے پا کو ریسیو کرنے تم چلو گی.....؟"

"ہاں۔" وہ بولی۔

"او کے..... پھر جلدی سے چینج کرو۔"

"کیوں..... ساڑی میں کیا برائی ہے.....؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہے ناں۔" وہ مسکراتا ہوا کہنے لگا۔ "ساڑی میں تم بہت پیاری لگتی ہو جاناں اور تمہارا یہ حسین روپ میں بس اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ اب چینج کرو گی یا اڑ جاؤ گی ہمیشہ کی طرح۔"

"میں چینج کروں گی۔" وہ اسے گھور کر وارڈ روب کی طرف پلٹ گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہی ایئر پورٹ جا کر اس نے بڑے پا کو ریسیو کیا تھا۔

"جیتے رہو بچوں سدا خوش رہو۔" دونوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بڑے پا نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ دونوں کو خود سے لگایا تھا پھر ان کے ساتھ ہی گھر آ گئے تھے۔ پورے دس روز وہ دونوں کے ساتھ رہے تھے۔ وہ صبح ہی آفس کے لیے نکل جاتا اور بڑے پا کو اگر کہیں [illegible] نہیں ہوتا تو وہ ان کے ساتھ گھر میں ہی رہتے تھے۔ [illegible] ان کی خدمتوں میں جتی رہتی کہ پاپا کا تو اس نے کبھی خیال ہی نہیں رکھا تھا مگر اب بڑے پا کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"تم تو بڑی پیاری بچی ہو رضوان خوا مخواہ فکر مند [illegible] تھا۔" بڑے پا نے اکثر اس سے یہ جملہ کہا تھا۔

"میں اب ہوئی ہوں بڑے پا پہلے ایسی نہیں تھی۔" [illegible] دھیمی آواز میں بولی تھی۔

"پہلے جیسی بھی رہی ہو بیٹے..... اب تو اچھی ہو [illegible] ہم دیکھ ہی رہے ہیں کیسے ہمارے بیٹے کا گھر بنایا ہے [illegible] خیال رکھتی ہو اسکا۔ بس دعائیں ہی رہتا ہے اس کا خیال رکھنا بے حد محبتیں دینا اسے کہ بہت کم ملی ہیں۔" بڑے پا نے کہتے ہوئے اس کو معظم حماد کے بارے میں ڈھیر باتیں بتائی تھیں۔ اس کے والدین کی حادثاتی موت، ان کی سرپرستی میں آنا۔ بڑی ماں کا اسے ہرٹ کرنا [illegible] کا گھر چھوڑ دینا، اپنا کریئر خود بنانے کی ضد۔ اس کی پسند ناپسند غرضیکہ ایک ایک بات بڑے پا نے اسے [illegible] بھی [illegible] تو وہ معظم کے بارے میں صرف [illegible] جانتی تھی کہ وہ پاپا کے عزیز دوست کا بھتیجا ہے [illegible] نے بھی اس سے زیادہ جاننے کی سعی کی ہی نہیں تھی [illegible] لیکن اب [illegible] کیسے ہی جان گئی تو دل سے اس کی قدر [illegible] کی پہلے سے زیادہ اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔

"[illegible] بڑے پا چلے گئے اب تم اپنی [illegible] واپس آ جاؤ۔" بڑے پا کے چلے جانے کے بعد بھی [illegible] رویوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی، وہ بدستور اس کا خیال [illegible] رہی۔ اس کی باتیں رہی تو وہ اس روز کہنے لگا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ہاں۔" وہ خفگی سے اسے گھورنے لگی۔

"سیدھا سا مطلب ہے یار تمہارا یہ سیدھا پن [illegible] نہیں ہو رہا مجھ سے۔" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

"عادت ڈال لو ہضم کرنے کی۔"

"ہاں میں عادی ہو جاؤں اور تم پھر پہلے جیسا [illegible]

رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔" وہ بولا تھا اور وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہہ ہی نہ پائی تھی۔

☆......☆......☆

"ایک بات کہوں؟" اس رات وہ سونے کے لیے لیٹا تو وہ بیڈ پر بیٹھی ہوئی پوچھنے لگی۔

"دس باتیں کہو میری جان۔" وہ مسکرایا تھا۔

"کیا ہم پاپا کو گھر نہیں لا سکتے؟ جو ٹریٹمنٹ انہیں ہاسپٹل میں دی جاتی ہے اس کا انتظام ہم گھر پر بھی تو کر سکتے ہیں نا۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"زوفا میری جان کچھ بتانا، سورج آج مغرب میں ہی غروب ہوا تھا یا......" وہ حیرت کا مظاہرہ کرتا اٹھ بیٹھا۔

"شمال میں ڈوبا تھا پھر کیا کرو گے تم؟" اس نے کھینچ کر اس کا بازو نوچا۔

"اب تو ٹھیک ہے۔ آگے کہو کیا کہہ رہی تھیں؟" اسے بیٹھے ہوئے وہ شوخی سے ہنسا۔

"کچھ نہیں کہہ رہی تھی میں۔" اسے دھکیل کر پرے ہو گئی۔

"یار کیا کروں میں۔ پتا نہیں میرے حلق سے نہیں اتر رہیں تمہاری یہ نیکیاں۔"

"تو مت اتارو نا، ہاتھ جوڑ رہی ہوں تمہارے؟" وہ ہونٹ سکوڑ کر رخ موڑ گئی تھی۔

"اوکے...... اوکے یار سوری۔" اس نے کہتے ہوئے اسے اپنی جانب گھمالیا۔ "اب کہو کیا کہہ رہی تھیں پاپا کے بارے میں؟"

"ہم انہیں گھر لا سکتے ہیں یا نہیں؟"

"یہ تو مجھے عابد انکل سے پوچھنا پڑے گا۔" وہ کہنے لگا۔ "کل صبح ہی بات کرتا ہوں ان سے۔ اگر انہوں نے پرمیشن دی تو پاپا کو گھر لے آئیں گے ٹھیک ہے۔"

"ہوں۔" وہ مسکراتی ہوئی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

"میں عابد انکل سے بات کر کے تمہیں فون کروں گا کہ وہ کیا کہتے ہیں پاپا کے بارے میں۔"

اگلی صبح آفس جاتے ہوئے وہ کہتا گیا تھا اور وہ دوپہر تک اس کی فون کال کی منتظر رہی تھی۔ کال تو نہیں آئی وہ خود چلا آیا۔

"ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے۔" آتے ساتھ وہ کہنے لگا۔

"وہ کیا؟"

"پاپا کوما سے نکل گئے ہیں۔ وہ ہوش میں ہیں اور بالکل ٹھیک ہیں۔" اس نے بتایا۔

"سچ کہہ رہے ہیں۔" اسے یقین نہ آیا۔

"ہاں۔"

"تو تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟"

"میں نے سوچا گھر آ کر بتاؤں گا اس لیے۔"

"مجھے لے چلو پاپا کے پاس کہاں ہیں وہ ہاسپٹل یا گھر میں؟"

"میں انہیں گھر پہنچا کر آیا ہوں۔"

"یہاں نہیں لا سکتے تھے؟" وہ بگڑنے لگی۔

"میں تو لا رہا تھا۔ وہ ہی نہیں آئے۔"

"کیوں؟"

"چل کر پوچھ لینا۔"

"تو چلو نا۔"

"ہاں چلو۔" وہ واپس کے لیے مڑ گیا تھا۔

"نہیں......" وہ ایک دم ہی کہنے لگی۔ "ابھی تو لوٹے ہو تھکے ماندے۔ کھانا کھا کر چلیں گے۔"

"اوہو...... بڑا خیال رکھنے لگی ہے تمہیں اپنے دولہے کا۔" وہ ہنستا ہوا اس کے پیچھے چل دیا تھا اور جواباً وہ خاموش ہی رہ گئی تھی۔

"آپ گھر کیوں نہیں آئے پاپا؟" پاپا کے پاس پہنچ کر ان کے گلے سے لگ کر پہلے تو وہ زور و شور سے روئی تھی پھر پوچھنے لگی تھی۔

"گھر میں ہی تو ہیں بیٹے۔" اسے تھپکتے ہوئے رضوان احمد مسکرائے تھے کہ وہ جو چاہتے تھے وہ ہو چکا تھا۔ ان کی بیٹی یکسر بدلی ہوئی ان تک آئی تھی۔

"میں اپنے گھر کی بات کر رہی ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"تو یہ تمہارا ہی تو گھر ہے بیٹے۔"

"یہ آپ کا گھر ہے پاپا، میرا گھر تو وہ ہے جہاں......"

وہ ایک دم ہی روہانسی ہوتے کہتے کہتے جھک سی گئی تھی۔
"کہاں...؟" رضوان احمد نے محبت سے اسے دیکھا۔
"جھیل یہ دو گلے کا آدمی رہتا ہے۔" وہ کہتی ہوئی بھاگ گئی تھی۔
"کچھ نہیں بیٹے... ٹھیک ہے سوچو۔" رضوان احمد نے کہتے ہوئے سے خود سے لگایا تھا جو ان کے پاس ہی بیٹھا مسکرائے جا رہا تھا۔ "یقین نہیں آ رہا مجھے کہ وہ زرقا ہی ہے پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی اس میں یکسر بدل گئی ہے وہ ویسی ہی جیسی ہم اسے دیکھنا چاہتے تھے۔"
"لگتے بدل ہی تھا انکل... آپ نے تو محنت تو نہیں کی تھی۔"
"صرف ہم کو نہیں کرتے تھے بیٹے... تم ساتھ نہیں ہوتے تو پتہ نہیں کیا ہوتا۔" وہ بولے تو وہ مسکرا دیا پھر کہنے لگا۔
"انکل اسے ساری حقیقت بتا دیں گے تو کیا ہوگا، اگر خفا ہو کر پھر ضد میں آ گئی تو...؟"
"اب ایسا کچھ نہیں ہوگا... تم بے فکر رہو۔"
"تو پھر میں جاؤں... کل آ کر اسے لے جاؤں گا۔"
وہ پوچھنے لگا۔
"یعنی صرف ایک دن رہے گی وہ ہمارے ساتھ؟"
"جی انکل... کیا کروں مجبوری ہے، اکیلا رہتا ہوں نا۔"
"اکیلے تو ہم بھی بہت ہیں بیٹے۔" انہوں نے طویل سانس لی تھی۔
"ٹھیک ہے انکل آپ جتنے دن چاہیں اسے رکھیں اپنے پاس۔"
"نہیں بیٹے... تم اسے لے جاؤ، بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی سجتی ہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ وہ خوش ہے تمہارے ساتھ۔" انہوں نے کہتے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی۔
"ٹھیک ہے... پھر میں کل آ جاؤں گا۔"
"جانے کی کیا ضرورت ہے۔ رہ جاؤ کل لے کر چلے جانا۔" وہ بولے۔

"نہیں... آج نہیں انکل پھر کبھی۔" وہ مسکرا کر کہتا ہوا اٹھ گیا تھا۔
"جا رہے ہو؟" رضوان احمد کے کمرے سے نکل کر وہ جیسے ہی داخلی دروازے کی سمت بڑھا تھا تب ہی وہ پاس آ گئی تھی۔
"ہاں۔" وہ سر ہلا کر مسکرایا۔
"تم سے ایک بات کہنی تھی۔"
"تو کہو نا۔"
"وہ میں پاپا کے پاس رہ جاؤں کچھ دن...؟" وہ پوچھنے لگی۔
"کچھ دن کیا تم تو اب یہیں رہ جاؤ گی زرقا۔" طویل سانس لے کر بولا۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکی تھی۔
"مطلب...؟" وہ مسکرایا پھر کہنے لگا۔ "اب تمہارے پاپا ٹھیک ہو گئے ہیں اور تم انہیں خوش [illegible] وہ ساری باتیں بتا دو گی جو بقول تمہارے ہی میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں تو پھر وہ کیوں تمہیں میرے ساتھ بھیجیں گے۔ وہ تو پہلی فرصت میں اپنی وصیت منسوخ کریں گے پھر مجھ سے تمہاری طلاق کا مطالبہ کریں گے اور کل تک وہ نہیں میں ہی تمہیں آزاد کر دوں گا۔ کل آ کر ان کا [illegible] کو [illegible] سامنے کر دینا۔" وہ کہتا ہوا چلا گیا [illegible]
اور وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی ہی رہ گئی [illegible] چیخ کر آوازیں دینا چاہا مگر حلق جیسے بند ہو گیا تھا۔
"[illegible] مجھے منتظر [illegible] کیسے ہوں گی تمہارے [illegible] میں نے [illegible] طلاق کی بات کی تھی تو کہہ دیتی نا [illegible] نے مجھے اس کا موقع کیوں نہیں دیا؟" شدتوں سے رو پڑی۔
"زرقا بیٹے کیا ہوا؟" وہیل چیئر پر پاپا نے پکار کر ہاتھ رکھا تھا۔
"کچھ... نہیں پاپا کچھ نہیں، بس ایسے ہی۔" وہ جلدی سے آنسو پونچھ کر کہنے لگی۔ "پاپا بہت بڑی باتوں میں [illegible] دکھ دیے ہیں آپ کو۔"
"نہیں بیٹا... بہت اچھی ہو تم تو، بہت پیاری میری جان کی بیٹی۔" انہوں نے بہت محبت سے اسے سینے سے لگایا تھا۔

"چائے بنتی ہے پاپا...... ماما آپ کے لیے؟" جلدی سے پوچھنے لگی کہ کہیں وہ اس کے رونے کا اصل سبب نہ پوچھنے لگ جائیں۔

"ہم پی لیں گے تو ضرور پئیں گے بیٹے۔" وہ مسکرائے۔

"میں ابھی لاتی ہوں پاپا...... آپ بیٹھیں۔" وہ کچن میں آ گئی تھی۔ "میری غلطیوں کی شاید یہی سزا ہے مگر خدا کے لیے تم مجھے چھوڑ دو...... میں پاپا سے تمہاری کوئی بات نہیں کروں گی۔ مجھے تمہاری ہر سزا منظور ہے۔" وہ کچن میں کھڑی سوچے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کل سے ان کے ساتھ تھی مگر بہت چپ چپ سی تھی۔ وہ مخاطب کرتے تو بھی بولتی ورنہ جانے کن سوچوں میں گم ہو جاتی تھی۔ وہ محسوس تو کر رہے تھے مگر کچھ پوچھا نہیں تھا۔

"زوفا بیٹے...... تم باتیں نہیں کرتی ہیں۔" اس دن وہ دوپہر کے کھانے کے بعد اسے ساتھ لیے ہال میں آ بیٹھے تھے۔ "بیٹے کیا پرابلم ہے، بہت چپ چپ سی ہو؟" اسے بازو میں سمیٹ کر وہ پوچھنے لگے۔

"نہیں تو پاپا...... بس ایسے ہی۔"

"کوئی بات تو ضرور ہے بیٹے، ہمیں بتاؤ۔ پہلے کیسی تھیں، کتنا بولتی تھیں یاد ہے تمہیں؟"

"پہلے تو میں اور بھی بہت کچھ کرتی تھی پاپا ہمیشہ آپ کو پریشان کیے رہتی تھی۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"ہوں۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مسکرائے پھر پوچھنے لگے۔ "آج کیا تاریخ ہے پتہ ہے تمہیں؟"

"چودہ فروری...... کیوں پاپا؟" وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"آج ہی کے دن تو شادی ہوئی تھی تمہاری، بھول گئیں بیٹے۔" وہ بولے تو ایک دم ہی اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہوئے تھے جنہیں چھپانے کی خاطر وہ ان کے کندھے سے پیشانی ٹکا گئی تھی۔

"یاد ہے پاپا۔" اپنی آواز کو نارمل رکھنے کی سعی کی تھی اس نے۔

"تو پھر آج سیلیبریٹ کرنے کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تم نے منظر کے ساتھ؟"

"جی وہ شام کو آنے والے ہیں۔" سر اٹھائے بغیر بولی تھی۔

"ہوں۔" وہ اس کا سر تھپکتے ہوئے مسکرائے پھر کہنے لگے۔ "وہ بہت اچھا ہے بیٹے...... اس کا خیال رکھا کرو کوشش کیا کرو کہ تمہاری طرف سے اسے کوئی دکھ نہ ملے اور ایک بات اور جو ہم کہنا چاہ رہے ہیں مگر ڈر رہے ہیں کہ تم خفا ہو جاؤ گی سن کر۔"

"کون سی بات پاپا؟" وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"پہلے وعدہ کرو، ہم سے خفا نہیں ہو گی۔"

"نہیں ہوں گی پاپا آپ کہیے۔" وہ بولی تو انہوں نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں اسے ساری باتیں بتا دیں پھر کہنے لگے۔

"بیٹے ہم نے جو بھی کیا تمہارے بھلے کے لیے ہی کیا۔ ہم تمہیں ایسی ہی دیکھنا چاہتے تھے، صرف اپنی نہیں اوروں کی خوشیوں کو بھی ترجیح دینے والی۔ بیٹے اگر تمہیں برا لگا ہو تو یہ سوچ کر معاف کر دو کہ تمہارے پاپا ہیں ہم اور بڑے ہیں تم سے۔"

"ایسا مت کہیے پاپا...... میں ہی غلط تھی، صرف اپنے بارے میں سوچتی رہی۔ کبھی کسی کے بارے میں بھی نہیں سوچا، آپ کی خواہشوں کی بھی پروا نہیں کی۔" کہتے کہتے وہ رو پڑی تھی۔

"میرے بیٹے...... تم تو بہت اچھی ہو، اب رو رہی ہو تو کیا ہوا، خود اس نے اتنی خوشیاں بھی تو دی ہیں تمہیں۔ بس ذرا سا دکھ ہے اس بات کا کہ تمہارے چلے جانے سے ہم بالکل اکیلے ہو جائیں گے۔" سر سہلاتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔ "ہم نے سوچا تھا منظر سے کہیں گے ہمارے ساتھ ہی رہے مگر پھر اس کی خودداری کو دیکھتے ہوئے کہنے کا حوصلہ نہ کر پائے۔ خیر کوئی بات نہیں ہم جی لیں گے، بس تم خوش رہو بیٹے اور کیا چاہیے۔" انہوں نے بات ختم کی ہی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے ایک جانب لڑھک گئی تھی۔

"زوفا بیٹے کیا ہوا؟" رضوان احمد گھبرا گئے۔ اس کا سر صوفے کے ہتھے سے ٹکائے ہوئے آوازیں دینے لگے۔ "زوفا...... زوفا بیٹے، میری جان کیا ہوا ہے آنکھیں

"کھولو، دیکھو بیٹا۔ زوفا... زوفا بیٹے۔" وہ جلدی جلدی فون کر کے
عابد کو "کیا ہوا میری بچی کو۔" انہوں نے ڈاکٹر آرزو دی تھی
پھر اس کے چہرے سے پسینہ پونچھنے لگے۔ اسی پل اس نے
آنکھیں کھول دیں پھر جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی۔

"بیٹے کیا ہوا؟" وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔

"پتہ نہیں پاپا... شاید چکر آ گیا تھا۔" وہ بولی تھی اور انہوں نے جلدی سے اٹھ کر میز پر رکھا پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا تھا۔

"پی لو بیٹے اور بتاؤ تمہیں کیا ہوا؟"

"کہا نہ پاپا چکر آ گیا تھا اچانک ہی۔ ورنہ آرام سے بیٹھی باتیں سن رہی تھی آپ کی۔" وہ پانی پی رہی تھی۔

"چلو اٹھو اپنے کمرے میں چل کر آرام کرو۔ عابد کو فون کر دیا ہے، آتا ہی ہوگا۔" وہ کہنے لگے۔

"میں ٹھیک ہوں پاپا آپ پریشان نہ ہوں، خوامخواہ عابد انکل کو فون کر دیا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں ہو، چلو اٹھو۔" وہ مصر ہوئے۔

"میں نہیں اٹھوں گی۔ بس آپ باتیں کریں مجھ سے۔" وہ بولی تو رضوان احمد غور سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں پاپا؟" اسے ہنسی آ گئی۔

"ہاں ٹھیک تو لگ رہی ہو پھر یہ اچانک طبیعت کیوں بگڑی۔" وہ الجھ گئے تھے۔

"کیا ہوا بھئی؟" اسی وقت ڈاکٹر عابد داخل ہوئے تھے اور پوچھتے ہوئے دونوں کے پاس آ گئے تھے۔

"یار تم نے کیا ڈرامہ بازی لگا رکھی ہے۔ پہلے خود کو ما ہی گئے اب اچھی بھلی بچی کو مریض بنا رہے ہو۔" ڈاکٹر عابد انہیں گھورتے ہوئے بیٹھ گئے تھے۔

"کوئی ڈرامہ نہیں ہے یار تم زوفا کو دیکھو، باتیں کرتے کرتے اچانک طبیعت بگڑ گئی۔" وہ بولے تو ڈاکٹر عابد اسے دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا تھا بیٹے؟" اس کی نبض چیک کرتے ہوئے وہ پوچھ رہے تھے۔

"کچھ نہیں انکل۔ بس چکر آ گیا تھا اور پاپا نے آپ کو بلا لیا۔" وہ بولی۔

"تمہارا باپ ہے ہی ایسا تمہیں ایک بچی کی طرح... کوئی بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔" وہ مسکرائے تو زوفا پھر...

"پہلے بھی ہوا تھا ایسا؟ آج ہی..."

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یاد کرو کے بتاؤ کبھی تو ہوا ہوگا۔" اس کی آنکھیں... زبان بھی دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہے تھے۔

"نہیں انکل فرسٹ ٹائم ہے یہ۔" وہ سوچ کر بولی تھی۔

"یار کیا ہوا بتاؤ نا۔ کوئی سیریس بات؟" ... پوچھتے ہوئے رضوان احمد پریشان ہونے لگے۔

"ہاں بہت سیریس بات ہے۔" وہ سنجیدہ... ہوئے بے حد سنجیدگی سے بولے تھے۔

"کک... کیا ہوا میری بچی کو؟" رضوان احمد کی... سوا ہو گئی۔

"تمہاری بچی کو تو کچھ نہیں ہوا بس تم نانا بننے والے ہو۔" وہ مسکرائے تھے۔

"واٹ... نانا... میں سچ کہہ رہا ہوں نانا... اوہ خدا کا شکر۔" رضوان احمد کی خوشی دیدنی تھی، ایک دم... بازوؤں میں سمیٹا تھا۔ "میری جان میری بچی... پاپا کیسے ہیں میں؟"

"ہم کمروں میں؟" ڈاکٹر عابد ہنس دیے تھے... سب کو کیسے بتاؤ گے... رہوں گا۔" انہوں نے ہنستے ہوئے بڑی محبت سے پیشانی چومی تھی جو جھینپ کر بیٹھی تھی۔

"اوکے بیٹے، شام کو پھر چکر لگاتا ہوں... کر کے کچھ دوائیں دوں گا تمہیں۔" ڈاکٹر عابد... ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"بیٹے اٹھو جاؤ آرام کرو اور منصور کو فون... خوش خبری۔" پاپا نے ایک بار پھر اس کا ماتھا چوما تو... کرا اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

"میں نہیں بتاؤں گی پاپا۔ میں کیوں بتاؤں..." کوئی صفائی بھی نہیں طلب کی بس سزا سنا کر چلا گیا... کمرے میں آ کر وہ شدتوں سے رو دی تھی۔

"زوفا بیٹے کہاں ہو؟ کچھ چائے وغیرہ..."

FAMOUS URDU NOVELS
http://famousurdunovels.blogspot.com/

''کمرے میں اُتری شام کے ساتھ ہی پاپا کی آواز بھی

''آ گئی فیصلے کی گھڑی؟'' وہ ساری ہمتیں مجتمع کر
کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی تھی اور جب چائے
کر ہال میں آئی تو دیکھا وہ مسکراتا ہوا پاپا سے محوِ کلام تھا۔
''چائے لیں۔'' اس نے پہلا کپ پاپا کو دے کر دوسرا
کی طرف بڑھایا تو اس کا ہاتھ یکدم ہی کانپنے لگا تھا کہ نظر اس
شرٹ کی جیب پر پڑ گئی تھی جس میں تہ شدہ لفافہ اُسے
نظر آ گیا تھا۔

''زوفا کیا ہوا؟'' اس نے کپ سمیت جلدی سے اس
ہاتھ تھام لیا تھا۔
''ن... نہیں کچھ نہیں۔'' وہ اپنا ہاتھ کھینچ کر فوراً کھڑی
ہو گئی تھی پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں آ گئی

''مصطفیٰ پلیز مجھے یہ سزا مت دو۔ میں مر جاؤں گی،
سہہ نہیں پاؤں گی۔'' ایک بار پھر اس کی آنکھیں نم
ہیں۔

''چلو اندر آ سکتا ہوں؟'' اگلے ہی پل اس کی آواز
تو وہ آنسو پونچھ کر جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی مگر اس کی
مرضی نہیں تھی وہ خود اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا۔
''یہ لو۔'' کہتے ہوئے جیب سے لفافہ نکال بیڈ پر
کے سامنے ڈال دیا تھا اور وہ اُسے اٹھانے کی ہمت نہ
بس آنکھیں پھاڑے دیکھے گئی۔
''جلدی کرو زوفا۔ سائن کر کے مجھے واپس دو انگلینڈ کو
کر چلا جاؤں۔'' وہ بہت بے رخی سے کہہ رہا تھا حالانکہ
سے محبت کرنے کا دعویدار تھا مگر کتنی آسانی سے اپنی
جنوں سے آزادی کے پروانہ پر دستخط کرانے آ گیا تھا۔
''زوفا جلدی کرو۔'' وہ یونہی بیٹھی رہی تو وہ پھر بولا
اس نے طویل سانس لیتے ہوئے لفافہ اٹھا لیا۔ لرزتے
ہاتھوں سے اُسے کھولا تو اندر سے کئی سادہ کاغذ برآمد
ہوئے۔ سب سے نیچے والے کاغذ پر کچھ لکھا تھا۔ آنکھوں
سے بہنے والے آنسو پلکیں جھپک جھپک کر روکتی ہوئی پڑھنے
کی سعی کرنے لگی تھی کہ اردو میں لکھا تھا اور وہ بہت روانی
سے اردو نہیں پڑھ سکتی تھی بہر حال اٹک اٹک کر پڑھنے لگی
تھی۔

''باہوش و حواس میں دیوانہ
یہ آج وصیت کرتا ہوں
یہ دل یہ جاں سب تم کو
میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' پڑھنے سے کاغذ کی مختصر
سی تحریر اُسے نظر کا دھوکا لگی۔ ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ کر دوبارہ
پڑھا وہی تحریر تھی، بدلی نہیں تھی نظر کا دھوکا نہیں تھی۔
''یار سائن کرو ناں جلدی۔'' اب کی اس نے مصطفیٰ کی
آواز میں شوخیاں محسوس کیں۔ ''تم... تم... وہ ڈھکے کے آدمی،
آئی ہیٹ یو۔'' وہ کاغذ پرے کر کے اُٹھ کر
اس کے سینے پر بے تحاشا گھونسے برساتی ہوئی شدتوں سے
رو دی تھی۔
''بٹ آئی لو یو۔ وہ ڈھکے کے آدمی کی بیوی۔'' وہ بے
تحاشا ہنس رہا تھا اُسے سمیٹتے ہوئے۔
''میں بات نہیں کروں گی تم سے۔'' وہ چلائی۔
''مگر میں ضرور کروں گا۔'' وہ ہنس دیا۔
''بہت برے ہو تم۔''
''یقیناً ہوں... ہوتا تو اتنی بری [illegible] کیوں۔''
[illegible] اتنی بری بھی نہیں ہوں مگر
[illegible] تم تو بہت ہی برے [illegible]
''تو جاؤ [illegible] کیوں [illegible]''
''یار کیا کروں [illegible] تم گھر میں نہ رہیں
[illegible] سب مجھ سے پوچھتے [illegible] مصطفیٰ [illegible]
[illegible] کہاں گئی؟''
[illegible] مجھے لگے [illegible]
''میرے [illegible]
[illegible] وغیرہ سب پوچھتے [illegible]
[illegible] آ گئی ہماری دلہن کو [illegible]
[illegible] ہے۔'' وہ بہت شوخی سے [illegible]
''میں مار دوں گی تمہیں۔'' وہ [illegible] سے بولی۔
''جتنا جی چاہے مار لینا میری جان [illegible] نہیں
کہوں گا۔'' وہ مسکراتا ہوا۔ جھکا تھا اس پر۔ ''اب بتاؤ کیا
یہ سچ ہے جو پاپا کہہ رہے تھے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔
''مجھے کیا پتہ پاپا کیا کہہ رہے تھے۔'' وہ انجان بن گئی

"لے... دیکھو از راہ دوست... میں کسی طرح سے
نکالو۔"

"نہیں رہنے دیں گی کیا کرو گے۔"

"ہاں... میں بے چارہ کیا کر سکتا ہوں۔" وہ دیر تک مسکرایا تھا۔ "حقیقت یہ سوچ کے میری جان اتنا پیارا تحفہ دینے کے لیے... سوچو آج کیا زینت ہے، چوہدری فخری ہماری شادی کی پہلی سالگرہ اور پہلی سالگرہ کا اس سے اچھا تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے وہ جان کر کہ تم مجھے کوئی دو گے کے آدمی تم باپ بننے والے ہو۔"

"میرے بچے کا باپ دو ٹکے کا نہیں ہوگا سمجھے تم۔" وہ جھینپ کر بولی تھی۔

"پھر کتنے کا ہوگا؟" وہ ہنس رہا تھا۔

"انمول ہے وہ۔"

"جی۔"

"بالکل۔"

"میری زندگی۔"

"اور میرا گفٹ؟" وہ پوچھنے لگی۔

"اس سے اور کیا چاہیے اتنا خوب صورت گفٹ دے تو دیا۔" وہ شوخ ہوا۔

"مجھے دوسرا بھی چاہیے سمجھے تم۔" وہ چڑ کر بولی۔

"دوسرا کیا میرا بچہ تھا پاگل... تمہیں اس جیسا بلکہ [illegible] دے سکتا ہوں میں تو۔"

"بہت بے شرم ہو۔" وہ بری طرح جھینپی تھی۔ "میں اس گفٹ کی بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"پھر کس گفٹ کی بات کر رہی ہو جان۔" اس نے کہتے ہوئے جیب سے وہ نکالا تھا وہی بریسلیٹ جو اس نے اسے شادی کی پہلی رات کو پہنایا تھا اور اس نے اتار کر پھینک دیا تھا۔ اب دوبارہ اس کی کلائی کی زینت بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب مجھے یقین ہے تم اس کی قدر کر سکو گی۔ کرو گی ناں۔"

"ہاں۔" اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اپنی زیادتی یاد کر کے رو دی تھی۔

"اوں... ہوں۔" اس نے ٹوک دیا۔ "مجھے تمہاری

کوئی سوری ووری نہیں [illegible] چاہیے زندہ [illegible] ندامت کے آنسو۔ مجھے اس تمہاری چاہتیں [illegible] دی تھی۔" اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ [illegible]

"اور خود روؤں؟" وہ مسکراہٹ چھپا گئی۔

"تو پیارا ہم... میں جبراً وصول کروں گا۔" [illegible] کر بولا۔

"ایک... ایک بات کہوں۔" [illegible] وہ پوچھنے لگی۔

"ضرور۔" وہ مسکرایا تھا۔

"برا تو نہیں مانو گے؟"

"اوں ہوں۔"

"ہم... اگر پاپا کے ساتھ رہیں تو [illegible] قدرے [illegible] تنگ کر رہی تھی۔"

"ہم بھی کہہ میں اور تم۔"

"ہاں۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے... تو پیارا ہم۔" اس نے طویل [illegible] تھی۔

"نہیں، دیکھو اگر تم نہیں چاہتے تو نہیں رہتے [illegible] یہ تو بس پاپا کے خیال سے کہہ رہی تھی [illegible] اکیلے ہو گئے ہیں وہ اس لیے پاپا بھی چاہتے [illegible] ہم ان کے ساتھ [illegible] رہیں تو [illegible] سکے۔"

"کیوں تم کیا [illegible]؟" وہ مسکرایا تھا۔

"[illegible] نہیں [illegible] تم [illegible] ہو گے شاید۔"

"[illegible] میں برا نہیں مانوں گا [illegible]"

"[illegible] تمہاری [illegible] کی بات [illegible] مجھے۔ [illegible] سے بڑی [illegible] پاپا اور تم آ گئے ہو زندگی میں [illegible] محبت [illegible] گی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک یہ سوچو۔" وہ ہنس اٹھی۔

"[illegible] تو مجھے کہنا چاہیے یار۔" اس نے [illegible] سمیٹا تھا اسے اور وہ دل ہی دل میں اس مالک کے آگے سر جھکا رہی تھی کہ وہ تو بہت نا قدری [illegible] وہ مالک اسے تو نوازتا ہی چلا گیا تھا۔

URDU NOVELS